مکاتیبِ امام غزالیؒ

حضرت امام غزالی کے ان نایاب اور گراں قدر
خطوط کا مجموعہ جو سلاطین، وزرار، اعیان وامرار
حکومت اور ائمہ و فقہار دین، کے نام لکھے گئے

مترجمہ
عبدالوہاب ظہوری

مرتبہ
امام احمد غزالی

نفیس اکیڈمی
بلاسس اسٹریٹ ــــــ کراچی

تین روپیہ بارہ آنے ۱۲ر

طبع اوّل	اپریل سنہ ۱۹۴۸ء
طبع دوم	مئی سنہ ۱۹۴۹ء
طبع سوم	جنوری سنہ ۱۹۵۵ء
طبع چہارم	اگست سنہ ۱۹۵۹ء
طبع پنجم	جولائی سنہ ۱۹۶۰ء
طباعت	انٹرنیشنل پریس کراچی

فہرستِ اندراجات

پہلا باب

دُوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان میں میری دوسری پیشکش

محمد اقبال سلیم گاہندری

حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد الغزالی اُن عدیم المثال مفکرین عالم میں سے ہیں جو بڑی مدت کے بعد کبھی پیدا ہوتے ہیں، جن کی نگاہیں باریک سے باریک حقیقت کو دیکھتی ہیں، اور جن کی نظروں میں انسانی زندگی کے تمام انفرادی، اجتماعی نقوش پوری وضاحت و تفصیل کے ساتھ نمایاں رہتے ہیں۔ نبض عالم پر ان کی انگلیاں ہوتی ہیں اور چہرۂ دنیا پر ان کی نگاہیں،

مزاج صبح و شام ان پر روشن ہوتا ہے اور امراض نفسی کی کوئی صورت ان سے پوشیدہ نہیں ہوتی۔

امام غزالی اپنی زندگی میں مختلف مدارج سے گزرے شک وریب کی شائد کوئی وادی نہ ہوگی جس سے ان کے فکر کو گزرنا نہ پڑا ہو، اور بے اطمینانی و انتشار کی کوئی گھاٹی نہ ہوگی جہاں ان کے ذہن نے ٹھوکریں نہ کھائی ہوں، لیکن بالآخر وہ یقین و علم کی اس مضبوط چٹان پر جا پہنچے جہاں سے مرغزار حقیقت دکھائی دیتا ہے اور جہاں پہونچ کر انسان پر خود انسانیت کے سربستہ راز کھل جاتے ہیں جہاں علم کا آفتاب اپنی کرن نچھاور کرتا ہے اور جہاں تجربہ کا بادل موتی بکھیرتا ہے۔

یہ کتاب امام غزالی کے اُن مکاتیب کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنے وقت کے عظیم الشان علماء، وزراء، بادشاہوں اور شاہزادوں کو لکھے ہیں، ان میں نظام الملک طوسی مشہور منتظم، وزیر مفکر اور عالم کے نام خطوط ہیں اور جلیل القدر سلجوقی فرمانرواؤں اور شاہزادوں کے نام مکتوبات میں

ان مکاتیب میں رعایا کے حقوق، فرماں رواؤں کے فرائض ملک کی آبادی کے ذرائع، نفسیات اجتماع، جماعتی زندگی کے عوامل اور بہترین اخلاقی نصائح موجود ہیں، احیاء العلوم اور کتاب الاخلاق کے مصنف، اور اپنے وقت کے سب سے بڑے

امام فلسفہ سے جس قسم کے خطوط کی امید کی جا سکتی ہے یہ خطوط ان سے بدرجہا بلند اور زیادہ مفید ہیں اس میں آپ کو نظر آئے گا کہ اسلامی حکومت کسے کہتے ہیں اور انسانیت کس قسم کے نظام حکومت کی تلاش میں سرگرداں ہے ایک اچھا شہر اور ایک اچھی مملکت انسانیت کے لئے کتنی بڑی نعمت ہے، اور انسانیت کی روحانی و اعیانی پاکیزگی کے لئے اس کی اجتماعی ہیئت کا درست بنیادوں پر ہونا کس قدر ضروری ہے۔

میری بپتا

اگست ۱۹۴۷ء میں مغربی سیادت نے آخری ہچکی لی دنیا کے نقشہ پر ایک نئے ملک کے نقوش اُبھرے جس زمین نے محمدؐ بن قاسم کا استقبال کیا تھا آج پھر اس دھرتی پر صدیوں بعد اسلامی شان و شوکت سے ہلالی پرچم لہرایا فضا میں نعرۂ توحید گونجا۔

ہندو ہندوستان میں شہنشاہیت کی چتا کیا جلی انسانیت جل گئی اسلامی تہذیب جل گئی اُردو زبان جل گئی۔

ہندوستان کی اس آگ میں میرا گھر (گاہندراں ضلع جالندھر) ایک سال قبل ہی جل چکا تھا کہ میرا کاروباری مرکز حیدر آباد دکن بھی اسی بھیانک آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آگیا اور میں اپنے کاشانۂ اشاعت کو تباہی کی ان بجلیوں سے نہ بچا سکا اور ۲۰/ نومبر ۱۹۴۸ء کو جوں توں کرکے اپنی مملکت پاکستان میں آپہنچا۔ یہاں آکر مسلسل چار

ماہ سے کراچی میں رہائشی دشواریوں کے لاینحل مسئلہ سے اُلجھ رہا ہوں نجات تو اب بھی نہیں ملی ہے لیکن کسی نہ کسی طرح قوائے عملیہ کو مجتمع کرکے اس قابل ہو سکا ہوں کہ پاکستان سے یہ دوسری کتاب پیش کر رہا ہوں امید ہے کہ ہمارے اہلِ علم اس مجموعہ کو پسند فرمائیں گے ::

مقدمہ

حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ

از علامہ مناظر احسن گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ

اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات جن کا سلسلہ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گا ان ہی معجزات میں حجۃ الاسلام امام محمد غزالی کا وجود بھی میرے نزدیک گویا ایک معجزہ ہی ہے کل (۵۵) سال کی عمر خیال کیجئے اس خاکدان ارضی میں حضرت امام کو عطا ہوئی لیکن پانچ اوپر پچاس سال کے اسی عرصے میں جس قسم کے گوناگوں خدمات ان سے بن آئے میرا تو خیال ہے کہ عام حالات میں شاید صدیاں بھی ان کے لئے کافی نہیں ہو سکتیں۔ حجۃ الاسلام ایک ہی وقت میں بہت بڑے فقیہ، بہت بڑے اصولی، بہت بڑے متکلم، بہت بڑے مدرس، بہت بڑے مصنف بہت بڑے واعظ، بہت بڑے مناظر اور اسی کے ساتھ ایک طرف اپنی فکری بلند پروازیوں کے لحاظ سے فلسفہ کے ایک مستقل اسکول (مکتب خیال) کے بانی[1] تو دوسری طرف زندگی کے آخری دور میں میدان عمل کے یکہ تازاور فضائے

---

[1] لیکن غزالی کے فلسفہ کا موازنہ یورپ کے موجودہ ارباب فکر ہیگل ڈیکارٹ وغیرہ سے اس زمانہ میں جو کیا جاتا ہے مجھے تو ایک تمسخر سے زیادہ اس قسم کے حرکات اور کچھ نظر نہیں آتے یورپ بے چارا جس کے متعلق عارف شرقی نے لکھا ہے
(باقی صفحہ ۱۱ پر)

صدق و اخلاص کے شہباز بلند پرواز بن کر وہاں پہونچے جہاں آدم کی اولاد کے چند ہی خوش قسمتوں کو پہونچنے کا موقعہ ملا ہے ان کے وقت کے معجزانہ برکات کا اسی سے اندازہ کیجیئے کہ ۴۵۰ھ میں وہ پیدا ہوئے ہیں اور ۵۰۵ھ میں وفات ہوجاتی ہے یہی ہے پچپن سال کی وہ مدت جو دنیا میں امام نے گزاری غربت اور وہ بھی یتیمی کی غربت کے ساتھ زندگی کا ان کے آغاز ہوتا ہے۔ پڑھتے لکھتے ہیں، غربت کی زندگی سے نجات پاتے ہیں، اپنے عہد کی سب سے بڑی حکومت کے سب سے بڑے کارفرما وزیر نظام الملک طوسی کی نگاہوں میں اتنی وقعت حاصل کرلیتے ہیں کہ سب سے بڑا دارالعلوم (یونیورسٹی) زمین کے کُرّے پر اس وقت جو موجود تھا یعنی نظامیہ بغداد کی صدارت کا عہدہ کل (۲۸) سال کی عمر میں ان کے سپرد ہوجاتا ہے، اللہ اللہ وہی غزالی جسے ان کے مرحوم والد کے درویش دوست نے یہ کہتے ہوئے رخصت کردیا تھا کہ تمہارے والد نے جو کچھ سرمایہ تم لوگوں کی پرورش کے لئے میرے سپرد کیا تھا وہ ختم ہوگیا۔ خود مجھ میں تم لوگوں کی پرورش کی صلاحیت نہیں مناسب ہے کہ کسی مدرسہ میں تم اور تمہارے بھائی احمد غزالی شریک ہوجائیں ممکن ہے کہ اس ذریعہ سے تم دونوں کے کھانے کا بندوبست ہوجائے ایک وقت وہ تھا اور

بقیہ سلسلہ گزشتہ) کوریز داں ناشناس اور اک اہرمن ناکسماں زنجیری بیباک اور بھلا اسی یورپ کے مفکرین کا اس غزالی سے کیا واسطہ جس کا اوڑھنا بھی خدا تھا اور بچھونا بھی وزرا ڈاکٹر مرحوم کی تشخیص ٹھیک ہے کہ "ناکسوں کے سوا اسکی جرات بیجا کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔

دوسرا وقت یہ ہے کہ اسی یتیم غزالی کو اس حال میں دیکھا گیا فقیہ ابو منصور کی چشم دید شہادت ہے کہ

دخل بغداد فقومنا ملبوسہ ومرکوبہ خمسمائۃ دینار (منتظم ابن جوزی جلد ۹ صفحہ ۱۲)

غزالی بغداد میں داخل ہوئے ہم نے انکے لباس اور سواری کی قیمت کا اندازہ پانچسو اشرفیاں کیں۔

انوشروان وزیر خلیفہ کا بیان ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ

کان یلبس الحریر والذھب

غزالی ریشمیں لباس پہنتے تھے اور سونا استعمال کرتے تھے

اور رفتہ رفتہ صرف یہی نہیں کہ اپنے زمانے کے اہل علم کو پیچھے بہت پیچھے چھوڑ کر دولت و ثروت عزت و احترام میں سب سے آگے نکل جاتے ہیں بلکہ ان کے دوست علامہ عبدالغافر الفارسی خطیب نیشاپور کا بیان ہے کہ

علت حشمتہ فی بغداد حتی کادت تغلب حشمۃ الاکابر و امراء دار الخلافۃ (الباقی صفحہ ۱۸۱ جلد ۳)

ان کا جاہ و جلال بغداد میں اتنا بڑھا کہ دار الخلافہ (بغداد) کے جتنے بڑے لوگ و امراء تھے قریب تھا کہ سب پر غزالی غالب آ جائیں اور چھا جائیں

اور یہ حال ان کا اس امتیاز کے بعد کا ہے جو علمی دنیا میں اس سے پہلے حاصل کر چکے تھے الفارسی نے لکھا ہے کہ

نظامیہ بغداد کی صدارت کے بعد غزالی نے ہر شخص کو اپنا گردیدہ بنا لیا تھا۔ ان کی تعلیم و تدریس ان کے مناظرے کا طریقہ ایسا تھا جس کا جواب اس زمانہ میں سمجھا گیا کہ نہیں ہے اور مان لیا گیا کہ اب کوئی عالم ایسا نہیں ہے جو ان کے جوڑ ہو الغرض خراسان کی امامت کے بعد عراق کی امامت بھی انکے لئے مسلم ہو گئی۔

دنیا کی ان ہمہ گیر اور بڑھتی ترقیوں کے ساتھ ساتھ خیال کیجئے کہ اسی

پچپن سال کی عمر میں امام غزالی پچاس سے اوپر کتابیں لکھتے ہیں اور کسی کتاب میں کیا ورق دو ورق کے مقالات و مضامین؟ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ان ہی کتابوں میں ان کی صرف ایک کتاب قرآن کی تفسیر چالیس جلدوں میں تھی جس کا نام یاقوت التاویل فی تفسیر التنزیل تھا، اور لطف یہ ان کی یہ ضخیم کتابیں کسی ایک فن ہی میں نہیں ہیں مشکل ہی سے اس زمانہ کے مروجہ علوم و فنون میں کوئی فن ہوگا جس میں ان کی کوئی کتاب نہ ہو، بلکہ اسلام کے قدیم علماء میں منجملہ چند خاص شخصیتوں کے امام غزالی بھی ان مصنفین میں ہیں، جنہوں نے علاوہ عربی زبان کے فارسی زبان میں بھی کتابیں لکھیں، کیمیاء سعادت اس سلسلہ کی عام کتاب ہے جسے براہ راست غزالی نے فارسی زبان ہی میں لکھا اس سے بھی آگے بڑھ کر زمانے کے عام دستور سے ہٹ کر ہم دیکھتے ہیں کہ امام غزالی نے دوسرے مذاہب و ادیان کا مطالعہ بھی خود ان مذاہب کی براہ راست کتابوں کے ذریعہ سے کیا، انہوں نے اسی سلسلہ میں ایک کتاب (القول الجمیل فی الرد علی من غیر الانجیل) بھی لکھی جس میں "انجیل" نسخے مطالعہ کے بعد ان نسخوں کی تنقید کی گئی ہے جو عیسائیوں میں امام غزالی کے زمانہ میں مروج تھے۔

اور لطف یہ ہے کہ ابھی چالیس کی عمر تک بھی پہونچنے نہ پاتے تھے کہ اچانک ان میں انقلاب پیدا ہوتا ہے اور کیسا انقلاب، جو کچھ اب تک انہوں نے حاصل کیا تھا سب پر لات مار کر الگ ہو گئے بقول ابن جوزی

"کھادی (خام) لباس اختیار کرلیا اور روزے کے پابند ہوگئے"

"کتابت کر کے جو کچھ مزدوری مل جاتی تھی اسی پر بسر اوقات کرتے تھے ایک سال دو سال نہیں تقریباً دس سال تک وہ اسی حال میں سرگرداں رہے حرمین (مکہ معظمہ و مدینہ منورہ) دمشق بیت المقدس، سکندریہ مصر ہر جگہ گھومتے پھرتے تھے۔

زرنگار ریشمیں عبا اور جبے میں چند دن پہلے بغداد میں جس غزالی کو دیکھا گیا تھا اب صحرا، شام میں وہی اس حال میں نظر آتے ہیں۔ کہ ہاتھ میں شام لگی ہوئی لٹھیا، پیٹھ پر تمام ٹوٹ ڈوری سے بندھا ہوا ہے۔ گرد سے اٹے ہوئے ہیں دیکھنے والوں کو افسوس ہوتا ہے اور وہ افسوس کرنے والوں پر افسوس کرتے ہیں۔

قریب قریب دس سال کی یہ مدت سیر و سیاحت، حج و زیارت مجاہدہ اور ریاضت میں بسر ہوتی ہے اس حال سے پھر افاقہ میسر آتا ہے وطن مالوف طوس لوٹتے ہیں اور یہاں ایک طرف اپنے قدیم مشغلہ درس و تدریس کو جاری رکھنے کے لئے عظیم الشان مدرسہ قائم کرتے ہیں اور دوسری طرف اسی کے مقابلہ میں ایک خانقاہ بھی تعمیر کرتے ہیں جس میں ان باطنی فیوض کی تقسیم کا سامان امام کی جانب سے کیا گیا تھا جن کے حاصل کرنے میں زندگی کے اس دوسرے دور میں خدا نے انہیں کامیاب کیا تھا ابن جوزی نے امام غزالی کے اس مدرسہ اور خانقاہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

عاد الی وطنہ و اتخذ فی جوارہ	اپنے وطن طوس واپس ہوئے وہاں
مدرسۃ و رباطا للمتصوفۃ	ایک مدرسہ اور تصوف سیکھنے والوں کیلئے

وبنی داراً حسنة وغرس فیها بستانا صـ۷۷ | ایک خانقاہ تعمیر کی امام نے ایک خوبصورت مکان تعمیر کیا جس میں ایک باغ بھی لگایا تھا

اور زندگی کی اسی محدود مدت میں علاوہ ان تلامذہ کے جوان سے نظامیہ میں پڑھ چکے تھے ایک بہت بڑی تعداد امام نے اپنے بعد ان لوگوں کی چھوڑی جن میں کچھ لوگ تو علوم ظاہری میں لپنے وقت کے امام ہوئے اور کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے ان کی دینی زندگی یا روحانیت کی اشاعت مسلمانوں میں کی، (۵۵) سال کا یہ زمانہ ۵۰۵ھ میں ختم ہو گیا کہتے ہیں کہ ایک دن کفن کے کپڑے ہاتھ پر لئے یہ کہتے ہوئے امام غزالی باہر نکلے بسر و چشم بندہ حاضر ہے۔

اور دوسرے عالم کے سفر کے لئے تیار ہو گئے بعض تلامذہ نے وصیت کی فرمائش کی

"علیک بالاخلاص علیک بالاخلاص علیک بالاخلاص"، یعنی اخلاص پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہنا، کہتے ہیں کہ اخلاص کے اسی آخری وعظ کو دُہراتے ہوئے مات (وفات پاگئے) صـ۱۷ منتظم ابن جوزی

یہ تو ان کا آخری قول تھا اور کتابوں میں عموماً یہ جو لکھا ہوا ہے کہ

مات الغزالی والبخاری علی صدرہٖ | غزالی کی وفات اس حال میں ہوئی کہ بخاری شریف ان کے سینے پر تھی۔

یہ شائد ان کا آخری فعل اور عمل ہو

بہر حال یہ اسی قسم کے دوسرے حالات وخدمات جن کا بالواسطہ یا بلاواسطہ علم اور دین سے تعلق ہے اور امام کی عام سوانح نگاروں نے ان کا

تذکرہ کیا ہے، میرے نزدیک تو امام کی اعجازی زندگی کے ثبوت کے لئے یہی کافی ہیں، بلکہ اعجازیت کا یہ رنگ اس وقت اور زیادہ گہرا ہو جاتا ہے۔ جب کہ کمیت (مقدار) کے ساتھ ساتھ امام کے خدمات کی کیفیت کے اندازہ کرنے کا بھی ان لوگوں میں سلیقہ ہو جو ان کے خدمات کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں، کچھ نہیں ان کی عام متداول کتاب احیاء العلوم ہی کو اٹھا کر دیکھ لیا جائے۔ اس کتاب کے صفحہ صفحہ ورق ورق میں معلومات کا جو ذخیرہ بھرا ہوا ہے اور جس قسم کے نتائج ان سے پیدا کئے گئے ہیں پھر جن شگفتہ سہل ممتنع تعبیروں میں امام کا قلم ان کو پیش کرتا ہے میرے نزدیک تو (۵۵) سال کی عمر شائد اسی ایک کتاب کی تکمیل کے لئے کافی نہیں ہو سکتی پھر کیا کہا جا سکتا ہے اس شخص کے متعلق جس نے احیاء بھی لکھی، اور احیاء کے سوا وہ سب کچھ لکھا جس کا اجمالی ذکر آپ سن چکے مگر اس وقت جو کتاب آپ کے سامنے ——— نفیس اکیڈیمی کی طرف سے پیش ہو رہی ہے، یعنی امام غزالی کے "مکتوب" اگرچہ امام کے خطوط اور مکتوبات کا جہاں تک میں جانتا ہوں یہ ایک "قلیل حصہ" ہے تاہم ان خطوط کے پڑھنے سے امام حجۃ الاسلام کی زندگی کے ایک اور مستقل رخ کا جو پتہ چلتا ہے اگر اس رخ کے خدمات کا بھی ان کی زندگی میں اضافہ کر دیا جائے تو یقیناً اس تعجب اور حیرت میں بھی کافی اضافہ ہو جاتا ہے جو اب تک امام کے متعلق دنیا ظاہر کرتی رہی ہے۔

میرا مطلب یہ ہے کہ یورپ میں امام غزالی کے قدر فرماؤں کا گروہ

پیدا ہو گیا ہے اس نے تو امام کے عہد کو "قرون وسطیٰ" کا تاریک عہد قرار دے کر اور یہ طے کر کے جیسے یورپ میں اس وقت جہل و ادبار افلاس و فلاکت، اوہام و خرافات، اور ان ہی کے ساتھ انتشار و اضطراب بے چینی و پریشانی کا دور دورہ تھا تقریباً یہی حال سارے جہان کا تھا اور کھل کر تو شاید کسی نے نہیں بیان کیا ہے لیکن اپنے "قرون وسطیٰ" کی اس روداد کو بیان کرتے ہوئے جس قسم کا لب و لہجہ مغرب کے یہ محققین اختیار کرتے ہیں ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو بھی اپنے "قرون وسطیٰ" کی ان تاریکیوں میں برابر کا حصہ دار تعین کرتے ہیں، کم از کم دوسروں کو بھی یقین دلانا چاہتے ہیں، اپنے اسی مفروضہ پر غزالی کے فلسفہ کی توجیہ میں ان کی طرف سے جو یہ کہا گیا ہے کہ اپنے زمانے کی الجھی ہوئی دنیا کے سلجھنے سے مایوس ہو کر ایک "قنوطی فلسفہ" اپنی کتابوں میں انہوں نے پیش کیا ہے، یعنی موجودہ زندگی میں تو آدمی راحت و آرام سکون و عافیت کی لذتوں سے حصل کرنے میں چونکہ کامیاب نہیں ہو سکتا اس لئے مناسب ہے کہ کسی دوسری دنیا اور دوسری زندگی کے ساتھ اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کو وابستہ کر دے۔

مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ غزالی کا عہد جو عیسوی سن کے حساب سے دسویں صدی اور ہمارے یہاں کے حساب سے پانچویں صدی کا زمانہ ہے اس زمانے میں یورپ جس حال میں بھی مبتلا ہو سردست اس سے تو مجھے بحث نہیں لیکن مسلمانوں کے لئے اس عہد کو "قرون وسطیٰ" ان ہی معنوں میں قرار دینا جو

مطلب اس کا یورپ میں سمجھا جاتا ہے بظاہر اس کی کوئی وجہ مجھے تو نظر نہیں آتی۔ یہ صحیح ہے کہ مشرق میں عباسیوں کی خلافت اپنے مادی اور سیاسی اقتدار کو کھو چکی تھی اور بغداد کا خلیفہ اپنے اسلاف کی ایک مقدس یادگار یا تبرک سے زیادہ اور کچھ باقی نہ رہا تھا اور یہ بھی درست ہے کہ مغرب خصوصاً اندلس میں بنی امیہ نے خلافت کے نام سے جس باجبروت حکومت کے قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی، پانچویں صدی میں اس حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ مسلمان گو ابھی اندلس سے جلاوطن نہیں ہوئے تھے۔ لیکن اس علاقہ کی سیاسی قیادت کی باگ ان کے ہاتھوں سے نکل کر غیروں کے قبضہ میں ایک حد تک جا چکی تھی۔

لیکن کسی خاص نسل یا خاندان یا زمین کے کسی خاص قطعہ اراضی کے ساتھ اسلام یا امت اسلامیہ کا عروج و زوال وابستہ ہے؟ یورپ کے ارباب تحقیق کیا اس نکتہ سے ناواقف ہیں؟ پھر عباسی خاندان کا خلیفہ اگر خلافت کی واقعی قوت سے محروم ہو چکا تھا، یا اندلس کے خاص علاقے میں مسلمانوں کی طرف اس محرومی اور زوال کو منسوب کر کے مسلمانوں کے لئے بھی غزالی کے عہد کو یورپ والے "قرون وسطیٰ" کا عہد قرار دینا زبردستی نہیں تو اور کیا ہے۔

پوری صدی کو تو جانے دیجئے، میں تو کہتا ہوں کہ وہی پچپن سال یا نصف صدی جس میں امام غزالی موجود تھے، مشرق تو خیر مغرب کے ان محققین سے دور تھا لیکن اندلس سے چند قدم کے فاصلہ پر مراکش اور مغرب اقصیٰ میں ملثمین یا نقاب پوشوں کی اسلامی حکومت جو قائم تھی کیا مسلمانوں کی اس حکومت اور اس کے بہادر فرماں روا یوسف بن تاشفین کو بھول گیا، یا

بھول سکتا ہے، غزالی کے سامنے ان کی زندگی ہی میں تو زلاقہ کا واقعہ سرزمین یورپ (یعنی اندلس) ہی میں پیش آیا تھا عیسائیوں کا بادشاہ اذفونش اپنی جرار فوج کے ساتھ یہ کہتے ہوئے میدان میں آیا کہ "اس فوج سے تو محمد کے خدا کو بھی شکست دے سکتا ہوں۔

لیکن تاریخ کے اوراق سے یورپ کی رسوائی کی یہ تصویر مٹائے مٹ سکتی ہے کہ تین سو کے سوا اذفونش کے ساتھ جو بھی آئے تھے یوسف بن تاشفین انار اللہ برہانہ کی تلوار نے کسی کو گھر واپس ہونے کا موقعہ نہ دیا، کامل ابن اثیر نے لکھا ہے کہ میدان لاشوں سے اس طرح پٹ گیا تھا کہ لاشوں کے ڈھیر پر کئی دن تک مسلمان اذان دیتے رہے بہرحال ہمارے مورخین کا یہ اتفاقی فیصلہ ہے کہ یوسف بن تاشفین

کان اکبر ملوک الدنیا فی عصرہ — دنیا کے بادشاہوں میں اپنے عہد کا
الیافعی ص۱۶۳ ج ۳ — سب سے بڑا بادشاہ تھا۔

اور ٹھیک ان ہی دنوں میں جب مغرب میں دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ ہونے کی حیثیت ایک مسلمان فرماں روا کو غزالی کے زمانہ میں حصل تھی مشرق میں بھی ان سلجوقی حکمرانوں کی حکومت قایم تھی جن کی حکومت کے طول و عرض کو بیان کرتے ہوئے مورخین لکھتے ہیں کہ

"کاشغر سے بیت المقدس تک طولاً اور بحر قسطنطنیہ کے ساحل سے نہر ہند (اٹک) تک عرضاً سلجوقیوں کے زیر اقتدار تھا" الیافعی ص۱۳۹ ج ۳

اور یہ وہی سلجوقی ہیں جن کے ایک بادشاہ الپ ارسلان نے اسی زمانہ میں جب امام غزالی پیدا ہو چکے تھے آرمینہ کے قریب رہوہ کے میدان میں ارمانوس شاہ قسطنطنیہ کی اس فوج کو فاش شکست دی تھی جس کی تعداد تقریباً تین لاکھ بتائی جاتی ہے ابن جوزی نے منتظم میں لکھا ہے کہ مشرق میں مسلمانوں کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کرنے کے لئے قسطنطنیہ سے ارمانوس اس شان کے ساتھ نکلا تھا کہ علاوہ فوجیوں کے نقب لگانے والوں راستوں کو ہموار کرنے والوں، جنگل کاٹنے والوں کی تعداد بھی ایک لاکھ سے کم نہ تھی ارمانوس جن غیر معمولی اسلحہ کے ساتھ میدان میں نکلا تھا اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ بعض منجنیقیں اس کے ساتھ اتنی بڑی تھیں کہ ایک ایک منجنق کو کھینچنے کے لئے بارہ بارہ سو آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی، ابن جوزی کا بیان ہے کہ اپنی کامیابی کا عیسائی بطارقہ اور سپہ سالاروں کو اتنا یقین تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے علاقوں کے متعلق یہ پروگرام پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ

"سردیوں کا موسم تورے (سلجوقیوں کے پایۂ تخت) میں ہم گزاریں گے اور گرما کا موسم عراق میں واپسی میں شامی علاقوں کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنے گھر لوٹیں گے۔"

یہ بھی اسی میں ہے کہ سارے اسلامی علاقوں کو عیسائی سردار آپس میں تقسیم کر چکے تھے، ارمانوس نے اسی بنیاد پر اس سردار کو جس کے حصہ میں عراق دیا گیا تھا یہ خصوصی وصیت کی تھی کہ

"بغداد کے اس بڈھے آدمی کا خیال رکھنا کیونکہ بیچارہ نیک آدمی ہے

اور میرا دوست ہے"

اشارہ خلیفہ بغداد کی طرف تھا

خلاصہ یہ ہے کہ با این ہمہ تزک و احتشام طمطراق الپ ارسلان سے ارمانوس کا جب مقابلہ ہوا تو صرف چار ہزار خاصے کی فوج کے ساتھ خدا نے الپ ارسلان کو یہی نہیں کہ عیسائیوں کی تین لاکھ کی اس ٹڈی دل فوج پر فتح عطا کی بلکہ عیسائیوں کا سب سے بڑا مشرقی بادشاہ ارمانوس الپ ارسلان کے غلاموں کے ہاتھ میں قید ہو گیا، اور پابہ زنجیر الپ ارسلان کے سامنے حاضر کیا گیا ابن جوزی نے تو مسلمانوں کی اس فتح کا تذکرہ کرتے ہوئے یہاں تک لکھدیا ہے کہ

اسلام کی تاریخ میں یہ فتح عجیب تھی
جس کی نظیر نہیں ہے۔

ؒ ابن جوزی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب ارمانوس گرفتار ہو کر الپ ارسلان کے سامنے پیش ہوا تو الپ ارسلان کے ہاتھ میں جو کوڑا تھا بے ساختہ تین کوڑے اس نے ارمانوس پر رسید کئے، زیادہ غصہ الپ ارسلان کو اس لئے تھا کہ خلیفہ بغداد نے درمیان میں پڑکر دونوں میں صلح کی سلسلہ جنبانی کی تھی، اور صلح کا معاہدہ طے پا چکا تھا لیکن ارمانوس نے خلاف معاہدہ الپ ارسلان کو غافل رکھ کر اتنی عظیم الشان تیاریوں کے ساتھ اس کے ملک پر حملہ کر دیا جب الپ ارسلان نے کہلا بھیجا کہ تم نے صلح کے معاہدہ کو مان لیا ہے تو اس نے انتہائی حقارت کے ساتھ جواب میں کہا کہ اب تو صلح کی بات چیت رے (پایۂ تخت سلجوقیوں) ہی میں پہونچکر ہوگی کوڑے کھانے کے بعد ارمانوس نے کہا کہ اب سرزنش بیکار ہے خدا تمہاری مدد کر چکا جو فیصلہ میرے متعلق کر سکتے ہو، الپ ارسلان (باقی بر صفحہ آئندہ)

بہر حال میں نے جیسا کہ عرض کیا مغرب اور مشرق کے یہ دونوں واقعات کل سولہ سترہ سال کے اندر اندر امام غزالی کے عہد میں پیش آئے، یورپ کے مورخین غالباً ان واقعات سے اور مسلمانوں کی ان مشرقی و مغربی حکومتوں کی غیر معمولی قوت و اقتدار سے ناواقف نہیں ہیں لیکن بنی عباس اور بنی امیہ کے خاندانوں کے سیاسی زوال کا ذکر کر کے یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ جاتے ہیں کہ غزالی کے زمانے میں مسلمانوں کا سیاسی دور دورہ ختم ہو چکا تھا مگر آپ یہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ کتنا کھلا ہوا مغالطہ ہے، اسی قسم کا مغالطہ جس سے ابن خلدون نے مسلمانوں کے "نظریہ مہدویت" کو مضمحل کرنے میں کام لیا تھا [۱]

(بقیہ سلسلہ گزشتہ) نے پوچھا کہ اسی حال میں تیرے پاس میں اگر لایا جاتا تو میرے ساتھ تو کیا کرتا اس نے کہا بدترین سلوک جس کا امکان تھا وہی کرتا اس کی صاف گوئی سے الپ ارسلان خوش ہوا اور کہا کہ تو کیا سمجھتا ہے کہ میں کیا کروں گا بولا تین ہی باتوں کا تجھے اختیار ہے چاہے مجھے قتل کر دے چاہے میری تشہیر سارے ملک میں کرا اور تیسری بات تو لائق ذکر بھی نہیں ہے الپ ارسلان نے اصرار کیا کہ وہ بھی کہدے تب اس نے کہا کہ معاف کر دے یہ بھی ہو سکتا ہے، الپ ارسلان نے کہا کہ میں نے ارادہ کیا ہے لیکن تاوان جنگ ادا کرنا پڑے گا۔ ارمانوس نے اس پر رضامندی ظاہر کی، تب الپ ارسلان نے زنجیریں اس کی کھلوا دیں اور تزک و احتشام کے ساتھ اس کو قسطنطنیہ روانہ کیا، تین میل تک خود اس کے ساتھ گیا۔ ارمانوس نے معاہدہ کیا تھا کہ آئندہ ایک باجگذار شخص کی حیثیت سے وہ قسطنطنیہ کی حکومت الپ ارسلان کیطرف سے کریگا جب رخصت ہونے لگا تو بغداد کی سمت جھک کر اسنے تین سلام کئے یعنی خلافت کی ماتحتی اسنے قبول کی مگر رومیوں نے اسکو بادشاہی سے معزول کر دیا۔ ۱۲۔

پس "قنوط" ویاس" کیا معنی میرا تو خیال ہے کہ قطعاً برعکس اس کے امام غزالی کا مسلمانوں کے ان نفسیاتی کیفیات اور نتائج سے متاثر ہونا زیادہ قرین قیاس ہے جن میں مذکورہ بالا غیر متوقع کامرانیوں، اور سربلندیوں کے بعد فطرتاً آدمی کا مبتلا ہو جانا قدرت کا ایک ناگزیر قانون ہے، خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی امت کے متعلق اسی خطرے کا احساس سب سے زیادہ تھا عموماً ارشاد فرمایا جاتا کہ خدا کی قسم

لہ مقدمہ میں اس کا تذکرہ کرکے کہ آئندہ مہدی علیہ السلام کی تشکل میں مسلمانوں کو ایک نجات دہندہ ملے گا اس خیال کو اس نے غیر عقلی عقیدہ قرار دیا ہے وجہ یہ بیان کی ہے کہ قوموں کا حال افراد کا ہے، بچپن جوانی بڑھاپا کے دور سے جیسے افراد گزرتے ہیں قوموں کو بھی ان ہی ادوار سے گزرنا پڑتا ہے۔ مسلمان جوانی سے پیرانہ سالی کے حدود میں داخل ہو چکے ہیں اب دوبارہ ان کی نئی زندگی کی امید ایسی ہوئی جیسے کسی بوڑھے آدمی کے متعلق جوان ہونے کی خوش خیالی میں کوئی مبتلا ہو لیکن ابن خلدون نے یہ نہیں سوچا کہ اسلام اور امت اسلامیہ کا تعلق کسی خاص نسل یا خون یا وطن کے باشندوں سے نہیں ہے یہ ہو سکتا ہے کہ ایک قوم مثلاً عرب یا ترک اپنے ادوار کو ختم کر چکی ہوں لیکن کوئی دوسری تازہ دم قوم مسلمان ہو کر اسلام پھر تروتازگی بخش سکتی ہے تیرہ سو سال سے اس کا تجربہ ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا اور اسی سے ابن خلدون کے خیال کی غلطی ظاہر ہوئی ہے باقی مہدی کے متعلق جو حدیث کی کتابوں میں روائتیں ہیں ان پر ابن خلدون نے جو اعتراضات کئے ہیں ان کی بھی محدثانہ حیثیت سے کوئی وقعت نہیں ہے اور مہدی کا عقیدہ اہل (باقی بر صفحہ آئندہ)

غربت اور افلاس کا خوف تمہارے متعلق مجھے نہیں ہے، بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم پر دنیا کھولی جائے گی جیسے گذشتہ قوموں اور امتوں پر کھولی گئی پھر جیسے تم سے پہلی کی ان امتوں میں منافسہ اور مقابلہ کا بازار گرم ہوا اسی حال میں تم بھی مبتلا ہو جاؤ گے (اور اس کے بعد باہر والے نہیں بلکہ خود باہم مسلمانوں کو مسلمان ہی ختم کر دینے کے درپے ہو جائیں گے۔) میں تو سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کو غزالی نے اسی حال میں پایا تھا۔ اور اس حال میں نہ پاتے تو کس حال میں پاتے مشرق میں بھی جب مسلمانوں ہی کا پھریرا اڑ رہا تھا اور مغرب میں بھی ان سے آنکھیں برابر کرنے کی کسی میں ہمت نہ تھی مسلمان کا کیا اس حال سے سابقہ جس قوم کو بھی پڑے گا اس میں قدرتاً وہی نتائج پیدا ہوں گے جو اس زمانے کے مسلمانوں میں پیدا ہو گئے تھے۔ اللہ اللہ یہی بغداد تھا، غزالی اسی بغداد کے دار العلوم کے صدر ہیں، مسلمانوں میں ایک دوسرے کی دعوت کرتا ہے، تو ایک ایک دعوت میں محض نمائش کے لئے ہزارہا من شکر صرف اس پر خرچ ہو جاتی ہے کہ دعوت گاہ کے میدان کو شکر ہی کے ڈھلے ہوئے مجسموں سے سجایا جاتا تھا۔ کہیں شکر ہی کے بنے ہوئے شیر کھڑے ہیں، کہیں گیدڑ، کہیں بھیڑیا۔ دوسری طرف اسی شکر ہی کے ڈھلے ہوئے پرندوں کی صفیں ہیں پہلی ضیافت مہمانوں کی مٹھائیوں کے ان ہی شکرین مجسموں سے کی جاتی تھی جہاں اس تفکر کے بعد اصل دستر خوان پر آتے تھے اس دستر خوان پر طلائی اور نقرئی ظروف میں کھانے چنے جاتے تھے۔ عموماً شہر سے باہر کسی میدان میں دیبا و حریر کے

بقیہ سلسلہ گذشتہ) سنت والجماعت کا ایک مسلمہ عقیدہ ہے ۱۲

خیموں میں یہ دعوتیں ہوتی تھیں دستر خوان پر مشک و عنبر کی بنائی ہوئی چڑیا بھی رکھی جاتی تھیں [1]

محمد خلیل نے اسی بغداد کے متعلق یہ نقشہ کھینچا ہے جس میں حکومت کے وزراء امراء کی بیویاں اپنی اپنی پالکیوں میں شمع برداروں اور سواروں کے جلو میں یکے بعد دیگرے دلہن کو لئے ہوئے نوشہ کے گھر جا رہی ہیں دلہن کی گاڑی پر زرنگار پردہ پڑا ہوا ہے جو قسم قسم کے جواہرات سے جگمگا رہا ہے شمع برداروں اور سواروں کے سوا ایک خاص رسالہ دو سو ترکی خواتین کا ہے، جو زرق برق لباس میں ملبوس ترکی قلماقیں گھوڑوں پر سوار دولہن کے ساتھ ساتھ جا رہی ہیں۔ آگے آگے جہیز کے سامان سے لدے ہوئے اونٹ اور خچر ہیں ہر ایک پر دیبا و حریر کی جھولیں پڑی ہوئی ہیں خچروں کی گردن میں سونے اور چاندی کی گھنٹیاں لٹک رہی ہیں، ان اونٹوں اور خچروں پر نقرئی صندوقوں میں زیورات اور دلہن کے ملبوسات ہیں جن کی قیمت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

عیش کوشیوں میں مسلمان کن حدود تک پہنچ چکے تھے اس کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ غزالی ہی کے زمانہ میں خلیفہ اور بادشاہ نہیں۔ قارئین کا ایک معمولی نواب جس کا نام احمد بن مروان تھا اور القادر نصر الدولہ کا خطاب حکومت کی طرف سے اس کو ملا تھا اسی کے حالات میں ابن جوزی نے لکھا ہے کہ گانے بجانے اور دوسرے مشاغل کے لئے نوجوان چھوکریاں

[1] دیکھو المنتظم ابن جوزی صنہ۳۰ جلد ۹

جو اس نے جمع کی تھیں ان کی تعداد پانچسو سے متجاوز تھی اور تقریباً یہی تعداد خدام اور غلاموں کی تھی، ان ہی کا بیان ہے کہ بعض بعض چھوکریوں کی قیمت اس نے چودہ چودہ ہزار اشرفیاں تک ادا کی تھیں اس کا نگار خانہ جس میں عموماً اس کی نشست بھی ہوتی تھی اندازہ کیا گیا ہے کہ دو لاکھ اشرفیوں سے کم قیمت کی چیزوں سے نہیں سجا ہوا تھا فرنیچر اور زیب و زینت کے آلات زیادہ زرجڑاؤ تھے یعنی بیش قیمت جواہرات ان میں لگے ہوئے تھے[1]۔

یہ مشرق کے ایک امیر کی زندگی تھی اور ٹھیک ان ہی دنوں میں مغرب کا مسلمان امیر اسی کا جواب اس شکل میں دے رہا تھا، میرا اشارہ قرطبہ (اندلس) کے مشہور اور نامی شاعر و ادیب رئیس معتمد کی طرف ہے: ابیافعی نے لکھا ہے کہ اس کے حرم میں بھی آٹھ سو خواصیں تھیں، یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ان ہی عورتوں سے ۱۷۳ اولادیں بھی ہوئی تھیں آٹھ سو رطل صرف گوشت کا خرچ اسکے باورچی خانہ میں تھا، عشق بازی میں معتمد کی نزاکت پسندیاں سننے کے قابل ہیں لکھا ہے کہ ایک عورت جسکا نام اس نے اپنے نام معتمد کی مناسبت سے اعتماد رکھدیا تھا اس کے ساتھ اس کی گرویدگی حد سے زیادہ تجاوز کر گئی تھی ایک لمحہ کے لئے اس کی آزردگی خاطر معتمد کے لئے وبال جان بن جاتی تھی بیان کیا جاتا ہے کہ قرطبہ کے محل میں ایک دن اعتماد معتمد کے ساتھ بیٹھی ہوئی جھروکہ سے سامنے کے منظر کا تماشا دیکھ رہی تھی یہ سرما کا موسم تھا اور خلاف عادت اس دن قرطبہ میں برف روئی کے گالوں کی طرح ادھر ادھر گر رہی تھی اعتماد اسی تماشے میں غرق تھی کہ اچانک

---

[1] دیکھو المنتظم ابن جوزی صہ ۲۲۲ ج ۸

اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے معتمد کی نظر پڑی بے چین ہو گیا، بیگم خیر تو ہے کیا ہوا؟ گھبرا کر پوچھنے لگا اعتماد نے کہا کہ تیرے گھر میں اور خیر، تجھے دنیا کے جھگڑوں سے فرصت ہی نہیں ملتی ورنہ جی چاہتا ہے کہ سرما کا موسم میں ہر سال کسی ایسی جگہ جاکر بسر کروں، جہاں سفید سفید پھولوں کی جیسی بارش کا یہ نظارہ میرے سامنے رہے، قرطبہ میں اس منظر کے دیکھنے کا موقعہ بہت کم ملتا ہے۔ معتمد اسی وقت باہر نکلا، اور باغات کے داروغہ کو بلاکر حکم دیا کہ محل کے چاروں طرف جو میدان ہے اس میں بادام کے درخت اس طریقے سے نصب کئے جائیں کہ آئندہ سال ان میں پھول آجائیں اور سرما کے موسم میں ان پھولوں کے گرنے سے یہی منظر قائم ہو جو آج برف باری نے قائم کر دیا ہے حکم کی تعمیل کی گئی اس سے بھی زیادہ دل چسپ لطیفہ اسی اعتماد کا یہ ہے کہ ایک دن پھر منھ پھلائے بیٹھی تھی، معتمد نے وجہ پوچھی تو بولی کہ آج میں سیر کے لئے باہر نکلی تھی راستہ میں چند مزدورنیوں پر نظر پڑی جو مٹی اور کیچڑ کو روند رہی تھیں، اور آزادی کے ساتھ گا رہی تھیں ان کی اس آزاد زندگی اور تمہارے اس محل کی قید کا خیال کر کے میرا دم گھٹا جاتا ہے معتمد نے کہا کہ بس اتنی سی بات کا خیال ہے اس نے حکم دیا کہ مشک اور عنبر کا ذخیرہ جمع کیا جائے اور مشکوں میں گلاب کا عرق بھر دیا جائے یہی کیا گیا پھر جیسے خشک مٹی پھیلا دی جاتی ہے اسی طرح عنبر اور مشک کے ڈھیر کو پھیلا دیا گیا اعتماد سے معتمد نے کہا کہ لو عرق گلاب کی مشکوں کو مٹھی پر لاد کر تم اپنی سہیلیوں کے ساتھ اسی پر چھڑکو اور جیسے مٹی اور کیچڑ کو تم نے دیکھا کہ مزدورنیاں روند رہی تھیں اسی طرح روندو

اعتماد دیا جامے کو چڑھا کر باہیں ہئیت کذائی سہیلیوں کو ساتھ لے کر اس عنبر میں اور مشکیں کیچڑ میں اتری اور دیر تک یہ تماشہ ہوتا رہا۔ لکھا ہے کہ آئندہ جب کبھی اعتماد کی پیشانی پر بل پڑتا اور کسی بات کی شکایت کرتے ہوئے معتمد سے کہتی کہ تم نے میری کبھی قدر نہ کی، معتمد کہتا کہ

ولا یوم الطین ــــ اور کیچڑ کے دن بھی نہیں؟

اعتماد سر جھکا لیتی (دیکھو کتاب ملوک الطوائف صـ۱۲۲)

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے دیگ کے یہ چند چاول تھے، ان ہی سے پورے دیگ میں جو کچھ پک رہا تھا اس کا آپ تخمینہ کر سکتے ہیں، اور یہ واقعات ٹھیک ان ہی دنوں کے ہیں جن میں امام غزالی زندگی گذار رہے تھے، جو کچھ ہو رہا تھا ان کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ دار العلوم نظامیہ کے صدر عالی قدر خود امام حجۃ الاسلام ہی کے متعلق جب آپ سن چکے کہ (حریر ارشیم) اور ذہب (سونا) استعمال کرتے تھے تو پھر دوسروں کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے، نظامیہ بغداد کچھ بھی ہو، بہر حال وہ ایک دینی ادارہ تھا، اور زیادہ تر دینیات اور مذہبیات ہی کی تعلیم اس کا مقصد تھا، جب اس کی صدارت کی کرسی تک محرمات شرعیہ کی رسائی ہو چکی تھی تو جہاں صرف دنیا ہی دنیا تھی خود ہی سوچنا چاہیئے کہ وہاں پہونچنے سے کون سی چیزیں رہ گئی ہوں گی۔

لوگ سوچتے نہیں ورنہ عہد غزالی کی یہی ایک خصوصیت یعنی سلجوقیوں کے وزیر نظام الملک طوسی کے دربار میں علم دین اور علم دین کے نمائندوں

کو عزو وقار کے جن بلند میناروں پر پہونچا دیا گیا تھا ان ہی بلندیوں میں ان ساری پستیوں کی ضمانت ان کو پوشیدہ نظر آسکتی تھی جن میں اس زمانہ کے مسلمان مبتلا ہو گئے تھے یا ان کو مبتلا ہو جانا چاہیئے تھا۔

تاریخوں میں ہم کو طوسی کے زمانہ کے علمار مثلاً امام الحرمین کے متعلق یہ پڑھ کر خوشی ہوتی ہے کہ جب نظام الملک کے دربار میں تشریف لاتے تھے تو اپنی وزارت کی مسند چھوڑ کر امام الحرمین کو اس پر بٹھاتا تھا کہا جاتا ہے کہ امام الحرمین کی وفات پر ماتم کا جو منظر قائم کیا گیا مسلمانوں کی تاریخ میں اس ماتم کی نظیر نہیں ہے سال بھر کے لئے ممالک اسلامیہ محروسہ سلجوقیہ کے سارے مدارس بند کر دیئے گئے طلبہ ملک میں گھوم گھوم کر اس پورے سال میں امام الحرمین کی وفات پر نوحہ کرتے پھرتے تھے، دواتیں پھوڑ دی گئی تھیں قلم مدارس میں اور محراب مساجد میں توڑ دیئے گئے تھے۔ اور کیا کیا بتاؤں کہ ایک عالم دین کی موت پر کیا کیا گیا۔

یا اسی زمانے کے دوسرے استاذ استاذ ابو اسحاق شیرازی جب بغداد سے شیراز سفارت کی ایک مہم پر روانہ ہوئے تو اس وقت مسلمانوں نے ان کے خیر مقدم میں جس تاریخی تماشے کو دکھایا تھا جس شہر اور قصبہ سے استاد کی سواری گذرتی تھی اس شہر اور قصبہ کی ساری آبادی کہتے ہیں باہر نکل آتی تھی اور ہر ہر پیشہ والے اپنے پیشوں کی مناسبت سے استاد کی سواری پر چیزیں نچھاور کرتے تھے حد یہ تھی کہ نانبائیوں کا گروہ روٹیاں اور حلوائیوں کی جماعت مٹھائیاں حتیٰ کہ کفش دوزیوں کے متعلق لکھا ہے سینکڑوں جوتیاں بچوں کے پاؤں کی بنا کر ساتھ لاتے تھے اور استاذ کے حضور ان کو نثار کرتے تھے

دینداروں کے اس جلال و جبروت کو دیکھ کر دنیا داروں نے بھی دینداروں کا بھیس اس زمانہ میں اختیار کر لیا ہو تو یقیناً اس پر حیرت نہ ہونی چاہئیے[1] امام غزالی نے احیاء العلوم میں یہ جو لکھا ہے کہ

"علماء آج اس پر لڑ پڑتے ہیں کہ صدر میں بجائے ان کے دوسرا مولوی جا کر کیوں بیٹھ گیا، یا صدر مجلس کے قریب اس کو جگہ ملنی چاہئیے تھی دوسرا وہاں کیوں چلا گیا"

یا ان کے مناظروں اور مباحثوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اسی کتاب میں فرماتے ہیں کہ

"بسا اوقات ان کی علمی زور آزمائیاں اس حد کو پہونچ جاتی ہیں کہ باہم ایک دوسرے پر گھونسے چلاتا ہے تھپڑوں سے ایک دوسرے کی خبر لیتا ہے، ایک دوسرے کے والدین اور اساتذہ کے نام سے سب وشتم شروع کر دیتا ہے" ص۲۶ ج ۱

یہ اور اسی قسم کی بیسیوں باتیں اپنے عہد کے علماء کے متعلق جو لکھی ہیں تو میں سچ کہتا ہوں کہ علم اور دین کی ان ساری فضیحتوں اور رسوائیوں میں بہت

---

[1] اس موقعہ پر مولینا اشرف علی تھانوی کا وہ لطیفہ یاد آتا ہے جب ان کے پاس ایک دفعہ خبر پہونچائی گئی کہ دیوبند کے مدرسہ میں چوری کے بعض حادثات ہو رہے ہیں تو فرمایا طلبہ چوری کرتے ہوں یہ تو سمجھ میں نہیں آتا البتہ یہ ہو سکتا ہے چوروں نے طلبہ کی زندگی اختیار کر لی ہو ۱۲

زیادہ مجھے اسی مرحوم نظام الملک کی شرافتیں پوشیدہ نظر آتی ہیں اس غریب کی نیک نیتی میں کون شک کرسکتا ہے لیکن انسانی فطرت کے ان تقاضوں کا بھی کیسے انکار کیا جاسکتا ہے جن کے ظہور کو نظام الملکی قدر افزائیوں کے بعد کوئی روک نہیں سکتا۔

کسی قوم یا امت کی اجتماعی زندگی میں جب مذکورہ بالا جراثیم پیوست ہو جاتے ہیں تو خواہ ظاہر بینوں کو کچھ نظر نہ آئے یا نہ آئے لیکن جیسی جیتی جاگتی روح غزالی کی تھی اور فطرتاً جس عمیق حسی ذکاوت کو لے کر وہ پیدا ہوئے تھے کیا ان کے لئے خطرات کے ان طوفانوں کا اندازہ کر لینا کچھ زیادہ دشوار تھا۔ جن کا پھوٹ پڑنا ان اجتماعی حالات میں ناگزیر ہے۔

اور یہی میرا خیال ہے کہ امام حجۃ الاسلام کے انقلابی اقدامات میں ممکن ہے دوسرے موثرات اور محرکات کو بھی دخل ہو، لیکن میرا تاثر یہی ہے کہ خطرات کے جن سیاہ اور مہیب بادلوں کو اپنے عہد کے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے پیچھے منڈلاتے ہوئے امام کی عبقری بصیرت دیکھ رہی تھی اسی نے ان کو کسی فیصلہ پر آمادہ کیا۔ دوسروں کی لگام موڑنے سے پہلے ضرورت ہے کہ خود اپنی باگ کو اپنے قابو میں لانے کی کوشش کی جائے یں تو یہی سمجھتا ہوں کہ کچھ اسی قسم کے شعوری یا غیر شعوری احساسات تھے جس نے اچانک نظامیہ بغداد کی ریاست کی کرسی سے اٹھا کر امام کو ان صحرانوردیوں اور آوارہ گردیوں پر آمادہ کیا جن کی طرف میں اجمالی اشارے کر چکا ہوں اور ان کی سوانح عمریاں جن کے ذکر سے لبریز ہیں۔

حجۃ الاسلام مسلمانوں کو ٹوکنا چاہتے تھے اور ٹوکنا ہی گیا بلکہ ان کے آئندہ طرز عمل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ بڑے بڑوں کو روکنے اور روک لینے کا انہوں نے تہیہ کر لیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ پانچ پانچ سو (پونڈ) یا اشرفیوں کے لباس اور سواری کے ساتھ اس مہم میں کامیابی کے گیا معنی ہمت روکنے کی کیا ٹوکنے کی بھی پیدا نہیں ہو سکتی، ان ہی چند خطوط کو پڑھ جائیے آپ کو معلوم ہو گا کہ ایک طرف وہ معین الملک جیسے امیر وکبیر سیاہ وسفید کی مالک قوت کو شراب نوشی کی عادت پر ان الفاظ کے ساتھ ڈانٹتے ہیں۔

میں تم پر ترس کھاتا ہوں لیکن تمہیں خود اپنے آپ پر ترس نہیں آتا میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ شراب نوشی کی بد عادت ترک کر دو۔ خط بنام معین الملک

تو دوسری طرف مجیر الدولہ جیسے سر پھرے آدمی کے آگے راست گوئی اعلان حق کا فرض ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔

تم کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جس بلا اور آفت میں تم مبتلا ہو کوئی ذریعہ مبتلا نہ ہوا تھا کسی وزیر کے دور میں اس قدر ظلم تباہی نہیں پھیلی تھی جتنی تمہارے زمانہ میں پھیلی ہوئی ہے ص۱۶۷ مکتوب بنام مجیر الدولہ

عوام کے مقابلہ میں بساط حکومت کے چند محدود افراد نے اپنا ایک جتھا بنا لیا تھا، اور کھٹملوں یا جونکوں کی طرح چاروں طرف سے بیچارے عامیوں کے گرم خون کی کمائی کو مختلف راہوں سے چوستے چلے جاتے تھے غزالی جب تک اسی جتھے سے الگ ہو کر صرف "کتابت" کی مزدوری پر قناعت

کرلینے پر اپنے آپ کو راضی کر لینے میں کامیاب نہ ہو جاتے تو کیا ان کے قلم سے اسی مجیر الدولہ کو خطاب کرتے ہوئے یہ الفاظ نکل سکتے تھے یعنی طوس اور اس کے آس پاس کے علاقے میں حکام کے مظالم کا حوالہ دیتے ہوئے مجیر الدولہ کو لکھتے ہیں۔

ظلم کی بیخ کنی کی کوشش کرو جہاں ان کی ہڈیوں تک ظالموں کا زخم اثر کر گیا ہے اور وہ بڑی طرح تباہ ہو گئے ہیں ظالموں کے جور و ستم کی کوئی حد نہیں رہی ہے رعایا سے دگنی رقم وہ حاصل کر لیتے ہیں اور یہ رقم بادشاہ تک نہیں پہونچتی بلکہ کمزوروں اور ناتوانوں سے حاصل کر کے ظالم خود غبن کر جاتے ہیں"۔ صہ ۱۶۸

ناممکن تھا کہ ایسے کھرے کھرے تلخ و تند الفاظ کے ہتھوڑوں سے وقت کے امرار کی جھوٹی عزت و شوکت کے چھلکے کو یوں توڑ پھوڑ کر رکھ دینے کی ہمت ان میں پیدا ہوتی۔

("اگر کوئی شخص خدمت خلق کرنا چاہتا ہے تو جذبۂ خدمت زرق برق لباس پہننے سے ناممکن ہے کیونکہ زیب و زینت کا لباس رعونت و خودداری کا موجب ہے اس قسم کا آدمی درحقیقت مرد کی صورت میں عورت ہے اگر وہ اس درجہ پر پہونچ جائے کہ عوام اسکی خدمت کریں تو کبر و ریا کا تہیدی بنکر رہ جائیگا درحقیقت یہ ایک دان ہے جسکی صورت دانائی کی ہو" اس کے بعد فرماتے ہیں)

ذرا تامل سے اس کو معلوم ہو جائے گا کہ عوام کا کوئی فرد وزیر کی خدمت

نہیں کرتا بلکہ سجدے اگر کرتا ہے تو اپنے حرص و آز کے آگے اور خدمت
کرتا ہے تو اپنی شہوت کی اور اس مال کی جو وزیر سے حاصل کرتا ہے
لیکن وزیر کو دھوکے اور فریب میں رکھتا ہے اس کے سامنے
اس کی تعریف اور ستائش کرتا ہے اور دوستی کا اظہار کرتا ہے
حالانکہ اسکی دوستی کا فی الحقیقت انحصار چند خسیس روپے پر ہوتا ہے صفحہ ۱۶ مکتوب
مگر انہوں نے ایک فیصلہ کیا تھا یقیناً بڑا سخت فیصلہ شاید اتنی سخت
کش مکش جس کے لئے ان کو پورے دس سال صرف کرنے پڑے اپنے نفس سے ان
کو نہ کرنی پڑتی، اگر فطرۃً امام غزالی منکسر المزاج اور متواضع طبیعت والے آدمی نہ ہوتے
ان کے دوستوں کا بیان ہے الفارسی نے لکھا ہے کہ فطرۃً غزالی
"بڑے تند خو، تنک مزاج آدمی تھے، دماغ کا حال یہ تھا کہ عام آدمیوں
کو حقارت کی نظر کے سوا کبھی دوسری نگاہ سے وہ نہیں دیکھتے تھے
اس شخص پر نخوت، خود پسندی کا جذبہ غالب تھا، اپنی گویائی، ذہنی
انتقال تعبیری قوت پر ان کو بڑا ناز تھا"
دوسری جگہ اپنے ذاتی تجربات ہی کی بنیاد پر الفارسی نے لکھا ہے کہ:-
اس شخص پر رعونت کا شیطان سوار تھا، اور سرداری و پیشوائی
(لیڈری) کے شوق کا کتا ان کے پیچھے لگا ہوا تھا" الیاقتی صفحہ ۸۴ اج ۳
انوشروان وزیر خلیفہ جس کا بیان پہلے نقل کر چکا ہوں کہ حریر اور سوتا غزالی
استعمال کرتے تھے اس نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے ابن جوزی نے اسی
کے حوالہ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

جب غزالی شروع شروع بغداد آئے ہوئے تھے تو ان کا حال یہ تھا
کہ جتنے آداب والقاب ان کے نام کے آگے پیچھے لگائے جاتے
تھے ان کو کم خیال کر کے چاہتے کہ لوگ ان پر اور اضافہ کریں"۔
صنکا جلد ۹ منتظم ابن جوزی

اور اس سلسلہ میں خود ان کے اعتراضات ہی احیاء العلوم وغیرہ کتابوں میں موجود ہیں جن سے ان کے دوستوں، اور پرانے ملنے والوں کے ان بیانات کی تصدیق ہوتی ہے خیال کرنے کی بات ہے کہ فطرۃً اس اکھڑپن اور شورش دماغی کو لے کر جو پیدا کیا گیا ہو اور سارا ماحول ان ہی لوگوں سے بھرا ہوا ہو عوام تو عوام علماء دین کے نمائندوں کا بھی حال یہی ہو کہ آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے پر ایک دوسرے سے الجھ پڑتے ہوں کتنی شدید دشواریوں میں اپنے آپ کو پایا ہوگا جب قطعاً اس راہ سے منھ موڑ کر بالکل دوسری مخالف سمت کی طرف چل پڑنے کا امام نے فیصلہ کیا ہوگا اور کیسی مخالف سمت کہ پھر ان ہی دیکھنے والوں نے اسی شخص کو اس حال میں پایا کہ پان پان سوں اشرفیوں کے لباس اور سواری میں نکلنے والا مولوی

بغداد کا ایک فقیر ہے جس کے جسم پر جو لباس تھا پندرہ قیراط
سے زیادہ اس کی قیمت مشکل ہی سے ہو سکتی تھی صنکا ج ۹ منتظم
ان کے دوست الفارسی نے بھی لکھا ہے

پھر گذشتہ جنون سے اس شخص کو افاقہ میسر آیا، اس افاقے
کے بعد ہر قسم کی رسمی وضع وقطع اس نے ترک کر دی حالت یہ ہوگئی

تھی (کہاں بڑے سے بڑے عالم کو بھی شئے از پرخفاش سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے) اب ذرا سی بھی کسی میں معرفت اور خداشناسی کی جھلک ان کو محسوس ہوتی تو اس کے پیچھے دوڑ پڑتے لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں اور نکتہ چینیاں غزالی پر کرتے حکومت میں ان کے خلاف مختلف قسم کی خبریں پہونچائی جاتی تھیں لیکن خاموشی کے سوا کسی چیز کا کوئی جواب ان کی طرف سے نہیں دیا جاتا تھا۔" صد۱۸۱ ج ۳ الیافعی

ظاہر اور باطن کے اس انقلاب کے بعد امام حجۃ الاسلام نے جو خدمات اپنی زندگی میں تذکیراً و تعلیماً انجام دیئے اور اپنی تصنیفات احیاء العلوم، کیمیا سعادت وغیرہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کے عوام و خواص جن غیر معمولی اصلاحی آثار و نتائج کے پیدا کرنے میں خدا نے ان کو کامیاب کیا، یہ ایک تفصیلی داستان ہے جس کی گنجائش اس مختصر سے مقدماتی مضمون میں قطعاً نہیں نکل سکتی اس کے لئے تو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے اور کچھ نہیں تو غزالی کے سو سال بعد تک مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ یہ واضح کر سکتا ہے کہ خانقاہوں اور مسجدوں، مدرسوں اور تعلیم گاہوں ہی میں نہیں بلکہ جہاں بانی کے اورنگ اور شاہی تخت پر بھی نورالدین زنگی اور صلاح الدین الایوبی جیسی ہستیاں مشرق میں اور سرزمین مغرب میں یعقوب بن عبدالمومن جیسے سلاطین جو نظر آتے ہیں کوئی مانے یا نہ مانے لیکن کم از کم ذاتی طور پر مجھے تو اسلامی بادشاہوں کی خصوصیتوں میں "تلقین غزالی کے جواہر ہی زیادہ ترجگمگاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

آخر سینکڑوں قلعوں کا فاتح نورالدین زنگی اس حال میں جو نظر آتا ہے کہ سارا دن اس کا اسی جد و جہد میں صفِ کارزار میں بسر ہوتا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو بجائے مٹی کے قبر کے کسی گدھ کے پیٹ میں میری لاش کے لئے تھوڑی سی جگہ نکل آئے اور راتیں اس کی ان قدموں پر بسر ہوتی ہوں جن پر جھکنے کے لئے آدمی کو پیشانی بخشی گئی ہے، ایک منکوحہ بیوی کے سوا اس کے حرم میں کوئی لونڈی داخل نہ ہوئی اور اس منکوحہ بیوی کے مصارف کے لئے سالانہ تیس دینار صرف حمص کی تین دکانوں کے کرایہ کی آمدنی مختص تھی بیچاری تنگی کی شکایت بھی کرتی تو نورالدین سے جواب سنتی کہ میرے پاس اس سے زیادہ نہیں ہے اور جو کچھ ہے وہ میرا نہیں ہے مسلمانوں کا ہے جس کا میں امین ہوں حمص کی یہ تین دوکانیں جس کے کرایہ کی آمدنی نورالدین کی بیوی کو ملتی تھی ان دوکانوں کو نورالدین نے مال غنیمت کے اس حصہ کی قیمت سے خریدا تھا جو دوسرے سپاہیوں کے ساتھ ان کو بھی ملا تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ مرض الموت میں طبیب نے نورالدین کو اس تنگ و تاریک حجرے میں جو پڑا پایا جس میں اپنی رات راز و نیاز میں گذارتے تھے اور اسی حجرے کی تاریکی و تنگی کو اس نے اضافہ مرض کی وجہ قرار دی تو میں سمجھتا ہوں کہ نورالدین کی اس زندگی کی توجیہ میں امام غزالی اور ان کی کتابیں احیاء و کیمیا کا ذکر مورخ کیسے ترک کر سکتا ہے[۱]

---

[۱] تفصیل کیلئے دیکھئے کامل ابن اثیر صاحب کامل نے لکھا ہے کہ اس بادشاہ کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

اور ایک نورالدین کیا صلاح الدین الایوبی الغازی کی مجاہدانہ سر فروشیاں جن کی یاد کے نقوش آج بھی اگر کریدا جائے تو یورپ والوں کے دل و دماغ میں ثبت نظر آئیں گے، اور باوجود ان کامرانیوں کے وفات کے وقت صرف ایک شامی اشرفی اور چالیس درام ناصری کے سوا ان کے ذاتی صندوق سے اور کچھ نہ نکلنا اسی طرح ایوبی کے حلم و تواضع، بے نفسی کے سارے قصے، یا یہ جو بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مغرب اقصے کی حکومت موحدین کے بادشاہ یعقوب بن یوسف بن عبدالمومن یورپ کے سلاطین کے مقابلہ میں بیسیوں معرکے سر کرنے اور سب میں فاتح بن کر نکلنے کے بعد اچانک تخت و تاج سے دست بردار ہو کر شاہی محل سے باہر نکل گیا اور گھومنے والے فقیروں کی طرح مشرق و مغرب کی سیاحت کرتے ہوئے گمنامی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوا[1] یہ اور اسی قسم کے چھوٹے بڑے سلاطین و امراء جو ٹھیک غزالی کی وفات کے بعد سو سال کے اندر ہی اندر گذرے ہیں کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ان کے ان عجیب و غریب حالات میں غزالی کا ہاتھ شریک نہ تھا نورالدین اور صلاح الدین تو خیر مشرق ہی کے

[1] الیافعی نے یہ لکھ کر کہ یہ بڑا سخی انصاف پسند پابند شریعت بادشاہ تھا پنجوقتہ نماز جماعت کیساتھ ادا کرتا تھا اور کمبل اوڑھتا تھا اور عورتوں ضعیفوں ہر ایک کے لئے دروازہ اس کا کھلا ہوا تھا جب تک انکے حقوق دلا نہ لیتا دم نہ لیتا اس نے وصیت کی تھی کہ کسی چلو راستے پر مجھے دفن کیا جائے شاید کسی راہگیر کی دعا کام آجائے مگر ایک قصہ پیش آیا کہ حکومت ترک کر کے وہ غائب ہو گیا اور پھر پتہ نہ چلا کہ کہاں وفات ہوئی ص۴۸۲ ج ۳

سلاطین تھے ان کا غزالی سے متاثر ہونا چنداں تعجب خیز واقعہ نہیں ہو سکتا لیکن مغرب اقصیٰ تک غزالی کی تعلیم کا اثر کیسے پھیل گیا، اس کے لئے چاہئے کہ موحدین کی حکومت کے بانی محمد بن تومرت اور غزالی کے ان تعلقات کا لوگ مطالعہ کریں، جن کا مورخین نے تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے، بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ موحدین کی مدمقابل مغربی حکومت ملثمین کے بعض سلاطین کے متعلق کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ غزالی کی کتابوں کے جلانے کا اسی نے حکم دیا تھا[1]۔ اس حکم کی بنیاد مذہبی اور اعتقادی امور کے سوا مجھے تو ان سیاسی تعلقات میں بھی نظر آتی ہے جو موحدین کی حکومت اور غزالی کے درمیان مورخین کے بیان کے مطابق پائے جاتے تھے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔"

مناظر احسن گیلانی

---

[1] مراۃ الجنان میں الیافعی نے لکھا ہے کہ یوسف بن تاشفین کے بیٹے علی بن یوسف نے امام غزالی کی کتابوں کے جلانے کا حکم دیا تھا ص ۲۶۸ جلد ۱۳ اور یہ علی بن یوسف وہی ہے جس پر موحدین کی حکومت کے بانی محمد بن تومرت نے حملہ کیا تھا اور محمد بن تومرت کے متعلق عام مورخین خصوصاً ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام غزالی سے اس نے استفادہ بھی کیا تھا اور ان سے سیاسی مشورہ بھی لیتا تھا ۱۲

پہلا باب

بادشاہوں کے نام خطوط

تمہید امام صاحب کی مقبولیت عام جس قدر روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی ان کے حاسدوں کا گروہ بھی بڑھتا جاتا تھا۔ خصوصاً امام صاحب نے احیاء العلوم میں جس طرح تمام علماء و مشائخ کی ریاکاریوں کی قلعی کھولی تھی اس نے ایک زمانے کو ان کا دشمن بنا دیا تھا نوبت یہاں تک پہونچی کہ ایک گروہ کثیر نے مخالفت پر کمر باندھی اور علانیہ ان کی آبرو ریزی کی فکر میں ہوئے اس زمانے میں خراسان کا فرمان روا سنجر بن ملک شاہ سلجوقی تھا اس خاندان کو امام ابوحنیفہ کے ساتھ نہایت حسن عقیدت تھی امام ابوحنیفہ کے مزار پر اول اسی خاندان نے گنبد اور روضہ تعمیر کرایا تھا۔[1]

---

[1] ابن خلکان تذکرۂ الپ ارسلان

امام صاحب نے آغاز شباب میں ایک کتاب منخول نام اصول فقہ میں تصنیف کی تھی جس میں ایک موقع پر امام ابو حنیفہ پر نہایت سختی کے ساتھ نکتہ چینی کی تھی اور نہایت گستاخانہ الفاظ ان کی شان میں استعمال کئے تھے امام صاحب کے مخالفین کے لئے یہ ایک عمدہ دستاویز تھی یہ لوگ سنجر کے دربار میں یہ کتاب لے کر پہنچے اور اس پر زیادہ تاب ورنگ چڑھا کر[1]

---

[1] امام صاحب پر مخالفین کی یورش اور حکومت کے ذریعہ سے ان کی بے آبروئی کی تحریک ایک مسلم الثبوت واقعہ ہے لیکن واقعہ کے بعض خصوصیات نہایت بحث طلب ہیں۔ قطعی طور سے معلوم نہیں ہوتا کہ بادشاہ کون تھا میں نے سنجر کا نام لیا ہے جس کے چند وجوہ ہیں۔ اولاً شمس الائمہ کردری نے منخول کی رد میں جو کتاب لکھی ہے اس میں سنجر کے نام کی تصریح کی ہے۔ دوسرے یہ کہ مکاتبات امام غزالی میں لکھا ہے کہ سلطان نے معین الملک کو غزالی کے حاضر کرنے کا حکم دیا اور یقینی ہے کہ معین الملک سنجر کا وزیر تھا جیسا کہ ابن الاثیر نے واقعات ۵۲۱ھ میں تصریح کی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ مکاتبات غزالی میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام صاحب نے اس واقعہ کے بعد نصیحۃ الملوک نام ایک کتاب لکھ کر بادشاہ اسلام کو بھیجی صاحب کشف الظنون نے التبرالملوک کے نام کے ذیل میں جو نصیحۃ الملوک کا ترجمہ ہے لکھا ہے کہ یہ کتاب امام غزالی نے محمد بن ملک شاہ سلجوقی کے لئے لکھی اس کے مؤید یہ امر ہے کہ جب تک محمد بن ملک شاہ زندہ رہا تاج و تخت کا اصلی مالک وہی تھا اور سلطان سنجر نیابت کا کام کرتا تھا۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

اور کہا کہ حجۃ الاسلام امام ابوحنیفہ پر رد و قدح کرتے ہیں، اور ان کی فرد گذاشتوں کو جمع کیا ہے۔ نیز ان کا اسلام کے متعلق کوئی عقیدہ نہیں ہے بلکہ فلاسفہ و ملحدین کا اعتقاد رکھتے ہیں، اپنی تمام کتابوں میں انہی فلاسفہ و زندیقوں کی باتوں کو خلط ملط کر دیا ہے، اسرار شریعت میں خرافات اور بطلان خیز امور داخل کر دیئے ہیں خدائے عز و جل کو نور حقیقی کہتے ہیں، حالانکہ

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) (۲) منخول کی نسبت یہ فیصلہ نہیں ہوتا کہ کس کے زمانے کی تصنیف ہے، مکاتبات امام غزالی اور طبقات الشافعیہ تاج الدین سبکی میں لکھا ہے کہ شباب کی تصنیف ہے جب کہ امام الحرمین زندہ تھے لیکن امام غزالی نے خود اپنی کتاب مستصفیٰ فی اصول الفقہ میں لکھا ہے کہ "منخول" احیاء العلوم، کیمیائے سعادت اور جواہر القرآن کے بعد کی تصنیف ہے۔ "منخول" اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اس کا طرز تحریر علانیہ شہادت دیتا ہے کہ وہ ابتدائی زمانے کی تصنیف ہے خصوصاً امام ابوحنیفہ کی شان میں جو گستاخیاں ہیں وہ ہرگز اس زمانے کی نہیں ہو سکتیں، جب وہ تارک دنیا اور صوفی ہو چکے تھے اور اس قسم کی طرز تحریر سے قطعی توبہ کر چکے تھے مکاتبات میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام صاحب نے انکار کیا کہ میں امام ابوحنیفہ کی شان میں کبھی گستاخانہ الفاظ نہیں استعمال کئے اس لئے یا تو یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ اس قدر عبارت جو امام ابوحنیفہ کی تنقیص میں ہے الحاقی ہے یا یہ قرار دینا چاہیئے کہ جو کتاب امام غزالی نے شباب میں تصنیف کی تھی وہ منخول نہیں ہے بلکہ اور کوئی کتاب تھی اور امام صاحب نے بعد کو اپنی تصنیفات سے خارج کر دیا تھا الغزالی مولفہ علامہ شبلی ۳

یہ مجوسیوں (آتش پرستوں) کا مذہب ہے جو نور و ظلمت کے قائل ہیں اور ان کو یزداں و اہرمن کی طرف منسوب کرتے ہیں مخالفین نے اس کے ساتھ امام صاحب کی اور تصانیف مثلاً مشکوٰۃ الانوار کے مطالب بھی الٹ پھیر کر بیان کئے اور بادشاہ کے روبرو دعوے کیا کہ غزالی کے عقائد زندیقانہ اور ملحدانہ ہیں دوسری طرف مغرب انقضی کے ہر ایک باشندے کو ورغلایا اور کہا کر حجۃ الاسلام امام مالک اور قاضی ابوبکر باقلانی پر طعن و قدح کرتے ہیں اور قاضی ابوبکر کی غلطیوں پر جرح و قدح کی ہے جس کی وجہ سے خود قاضی موصوف نے علانیہ امام صاحب کی نکتہ چینی شروع کر دی اور ارکان دولت کے نزدیک ان کی عیب جوئی کی، سنجر خود صاحب علم نہ تھا کہ بدگویوں کی شکایتوں کا خود فیصلہ کر سکتا، جبتہ و دستار والوں نے جو کچھ کہا اس کا یقین آگیا اور امام غزالی کی حاضری کا حکم دیا امام صاحب عہد کر چکے تھے کہ کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جائیں گے، او ہر فرمان شاہی کا بھی لحاظ تھا اس لئے مشہد رضا تک گئے اور وہاں ٹھہر کر سلطان کو زبان فارسی میں ایک خط مفصل لکھا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

امام غزالی کا خط بادشاہ اسلام کے نام

اللہ تعالیٰ شاہ اسلام کو دنیوی مملکت سے بہرہ ور فرمائے اور عالم آخرت میں ایسی بادشاہت عطا فرمائے کہ اس کے مقابلہ میں روئے زمین کی بادشاہت حقیر و بے مایہ نظر آئے تاکہ آخرت کی مملکت میں کام کرے اس لئے کہ روئے زمین کی سلطنت کے حدود مشرق سے مغرب تک ہیں اور اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے انسان کی عمر اکثر حالات سو سے زائد نہیں ہے، جو بادشاہت اللہ تعالیٰ کسی کو آخرت میں عطا کرتا ہے اس کے مقابلہ میں تمام دنیا ایک ذرۂ خاک کے مساوی ہے اور روئے زمین کی تمام بادشاہت اس ذرہ کا گرد و غبار ہے۔ بھلا ذرۂ خاک اور اس کے گرد و غبار کی کیا قیمت ہوگی، ازلی مملکت اور ابدی بادشاہت کے مقابلہ میں سو سال کی حقیقت ہی کیا ہے کہ اس پر پھولے نہ سمائیں، لئے بادشاہ اسلام! جس طرح اقبال و دولت سے آپ کا خاندان بلند ہے آپ بھی اس کے مطابق اپنی ہمت بلند رکھئے اور خدا ئے تعالیٰ سے بجز مملکت جاوداں کے کسی اور چیز پر قناعت نہ کیجئے یہ کام دنیا والوں کے لئے دشوار ہے لیکن شاہ مشرق پر آسان کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عادل بادشاہ کے عدل کا ایک روز ساٹھ سال

کی عبادت سے بہتر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے دولت کا یہ ساز و سامان دیا ہے تو دوسرا ساٹھ سال میں جو کر سکتا ہے آپ اس کو ایک دن میں انجام دے سکتے ہیں، کیونکہ اس سے اقبال و دولت میں زیادتی ہوتی ہے، دنیا کی جو حالت ہے اگر آپ اس کی حقیقت پر غور کریں تو دنیا آپ کی نظر میں حقیر و بے مایہ ہو جائے کیوں کہ بزرگوں نے کہا ہے، اگر دنیا کوزۂ زرین ہو جو ناپائیدار و فانی ہو جائے اور آخرت مٹی کے کوزہ کی طرح ہو جو باقی رہنے والا تو عقلمند باقی رہنے والے مٹی کے کوزے کو فنا پذیر زرین کوزہ پر ترجیح دیتا ہے اور اسی کو اپنے لئے پسند کر لیتا لیکن ایسی صورت میں کیا حال ہوگا جب کہ دنیا مٹی کا کوزہ ہے جو باقی نہیں رہتا اور آخرت کوزۂ زرین ہے جو ہرگز نہیں ٹوٹتا، وہ شخص عقلمند کس طرح کہلائے گا جو دنیا اختیار کر لیتا ہے حالاں کہ یہ مثال اس کے پیش نظر ہے۔

آج یہ حقیقت کھل گئی ہے کہ عدل و انصاف کی ایک گھڑی سو سال کی عبادت ہے رعایائے طوس پر رحم کر کہ انہوں نے بہت سے مظالم سہے ہیں، فصلیں سردی اور قحط کی وجہ سے تباہ ہو گئی ہیں، سو سالہ درخت جڑ سے خشک ہو گئے تمام کسانوں کے بدن پر سوائے کھال اور ہڈیوں کے کوئی چیز باقی نہیں رہی ان کے بچے بھوکے اور ننگے ہو گئے۔ اب اس کا موقع نہ دیجئے کہ ان کی کھال بھی کھینچ لیں اگر ان سے کوئی چیز مانگی جائے تو

یہ تمام بھاگ جائیں گے اور پہاڑوں سے اپنا سر ٹکرا کر ہلاک ہو جائینگے اور ان کا یہ پوست گردن کا بوجھ ہوگا۔

اے بادشاہِ اسلام! آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ راقم کی عمر ترپن سال کی ہو گئی ہے، چالیس سال تک میں نے علم کے سمندر میں غوطہ زنی کی اور اس مقام تک پہونچا ہوں کہ میری باتیں بہت سے اہل زمانہ کی سمجھ میں آ گئی ہیں بیس سال سلطان شہید کے عہد میں گذارے، اصفہان اور بغداد میں اس کا اقبال دیکھا، کئی مرتبہ سلطان اور امیر المومنین کے درمیان اہم معاملات میں سفیر رہا۔ علوم دین میں تقریباً ستر کتابیں تصنیف کیں اس لحاظ سے دنیا کو کما حقہ دیکھ چکا ہوں، اور اب ایک دم ترک دنیا کر دیا، ایک مدت تک بیت المقدس اور مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہا، اور مشہد ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر حاضر ہو کر یہ عہد کیا کہ کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جاؤں گا کسی بادشاہ کا وظیفہ نہ کھاؤں گا، مناظرہ اور مباحثہ نہ کروں گا بارہ سال سے اس پیمان کو پورا کر رہا ہوں امیر المومنین اور تمام بادشاہوں نے اس بدعاگو کو معذور سمجھا اب مجھے اطلاع ملی ہے کہ جناب عالی نے اپنے پاس حاضر ہونے کا فرمان بھیجا ہے فرمان کے مطابق مشہد رضا تک پہونچا اور عہد خلیل کے پیش نظر لشکر گاہ تک آنے کی ہمت نہ ہوئی اس مشہد کے سرے پر

کھڑا ہو کر کہتا ہوں کہ اے فرزند! میری درخواست قبول کر تا کہ اللہ تعالیٰ بادشاہ اسلام کو دنیوی مملکت میں اپنے آباد احبداد کے درجہ پر پہونچائے اور آخرت میں سلیمان علیہ السلام کا مرتبہ و مقام عطا کرے جو بادشاہ بھی تھے اور پیغمبر بھی، مجھے اس امر کی توفیق دیجئے کہ عہد ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے احترام کی نگہداشت کروں اور کسی کے دل کو جو دنیا سے کنارہ کش ہو کر اللہ کی طرف رخ کیا ہوا ہے رنجیدہ نہ کیجئے میں سمجھتا ہوں کہ جناب کے نزدیک جسم و قالب کو ملانے کے مقابلہ میں جس میں کوئی فائدہ اور حاصل نہیں ہے میری یہ باتیں بے حد پسندیدہ اور قابل قبول ہوں گی اور یہ ایک حق پسندانہ کام ہوگا اگر آپ کو یہ منظور ہے تو آپ پر آفرین اگر اس کے خلاف کوئی فرمان ہو تو عہد توڑنے کے مقام میں نہ رہوں گا کیوں کہ کسی بادشاہ کے فرمان کی پابندی مجبوراً لازمی ہو گی اس لئے لامحالہ فرمان کا مطیع ہو جاؤں گا اللہ تعالیٰ جناب کے دل و زبان کو محفوظ رکھے تا کہ قیامت کے دن آپ شرمندہ نہ ہوں اور آج اسلام کو آپ سے کسی قسم کا زوال نہ آنے پائے۔ والسلام

اس خط کو پڑھ کر سلطان امام صاحب کی زیارت کا مشتاق ہوا اور درباریوں سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ رُو در رُو باتیں کر کے ان کے

عقائد وخیالات سے واقف ہوں، مخالفین کو یہ حال معلوم ہوا تو ڈرے کہ کہیں بادشاہ پر امام صاحب کا جادو نہ چل جائے اس لئے یہ کوشش شروع کی امام صاحب لشکرگاہ تک آئیں لیکن دربار میں نہ جانے پائیں۔ بلکہ باہر ہی مناظرہ کی مجلس قائم ہو' اور امام صاحب کو مناظرہ ومباحثہ میں الجھایا جائے طوس کے علمار وفضلار نے یہ خبر سنی تو لشکرگاہ میں پہونچے اور مخالفین سے کہا کہ ہم لوگ امام صاحب کے شاگرد ہیں مسائل بحث طلب ہمارے سامنے پیش کئے جائیں جب ہم عہدہ برا نہ ہوسکیں تب امام صاحب کو تکلیف دی جائے تمہارا یہ رتبہ نہیں کہ امام صاحب تم کو مخاطب کریں۔ ان جھگڑوں کی وجہ سے سنجر نے یہی مصلحت سمجھی کہ امام صاحب کو سامنے بلاکر فیصلہ کرلیا جائے معین الملک کو جو وزیر اعظم تھا امام صاحب کی طلبی کا حکم دیا امام صاحب چار ناچار لشکرگاہ میں آئے اور معین الملک سے ملے معین الملک بڑی عزت واحترام کے ساتھ پیش آیا اور ان کے ساتھ ساتھ سنجر کے دربار تک گیا، سنجر تعظیم کے لئے اٹھا اور معانقہ کے بعد تخت شاہی پر جگہ دی امام صاحب ہر چند بڑے بڑے دربار دیکھ چکے تھے تاہم سنجر کے جاہ وجلال سے مرعوب ہوئے اور جسم پر رعشہ طاری ہوگیا، ایک قاری ساتھ تھا، اس سے کہا کہ قرآن مجید کی کوئی آیت

پڑھو اس نے یہ آیت پڑھی الیس اللہ بکاف عبدہ "یعنی کیا خدا اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے" اس آیت کے اثرات سے دل قوی ہو گیا سنجر کی طرف خطاب کیا اور ایک طویل تقریر کی جو یہاں درج کی جاتی ہے۔

امام صاحب کی تقریر

الحمد اللہ رب العالمین والصلوۃ علیٰ رسولہ محمد والہ اجمعین والعاقبۃ للمتقین ولاعدوان الا علی الظالمین

بادشاہ اسلام زندہ و سلامت رہیں شاہان اسلام کے دربار میں علمار اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ چار چیزوں پر مشتمل ایک تقریر کرتے ہیں جو یہ ہیں دعا، ستائش، نصیحت، اور رفع درجات لیکن میرا مسلک اور طریقہ یہ ہے کہ اندھیری رات میں گوشۂ تنہائی میں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرنا برملا ریاکارانہ مظاہرہ کرنے سے کہیں بہتر ہے، بارگاہِ حق میں جوش خلوص نیت اور حسن عقیدت کے ساتھ نہ پیش کی جائے گی۔ وہ مقبول نہ ہو گی جناب کی ستائش کا بھی یہی حال ہے کیوں کہ آفتاب اس سے قطعاً بے نیاز ہے کہ لوگ اس کی بلندی و روشنی کو انگلیوں سے اشارہ کریں جب حسن و جمال اپنی انتہائی حد کو پہونچ جائے تو بے نیاز مشاطہ ہو جاتا ہے، تعریف و ستائش کا مقصد کام کو اونچا کرنا ہوتا ہے ایسے ذی شان بادشاہ کو بڑھا چڑھا کر

کس طرح پیش کیا جائے جب کہ دنیا میں کسی شخص کو جو کچھ بلندی و برتری اور مرتبہ حاصل ہے وہ جناب ہی کی بدولت ملا ہے، لہٰذا اہم کام نصیحت ہے اور ضروری باتوں کا عرض کرنا۔

نصیحت اور خیر خواہی ایک مملکت ہے جس کا منشور بجز فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کیا ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا ہے۔

ترکت فیکم واعظین	میں نے تمہارے درمیان دو واعظ
صامتا وناطقا الصامت	چھوڑے ہیں ایک خاموش دوسرا
الموت والناطق القرآن	گویا واعظ خموش موت ہے اور واعظ ناطق قرآن

غور کیجیے کہ واعظ خاموش اپنی زبان حال سے کیا کہتا ہے اور جو واعظ گویا ہے وہ زبان مقال سے کیا کہتا ہے امرگ خموش کہتی ہے کہ جس قدر انسان دنیا میں بستے ہیں وہ جان لیں کہ میں تمہاری گھات میں بیٹھی ہوئی ہوں اپنی کمین گاہ سے ایک دم نکلوں گی کسی کے روبرو اپنا ایلچی بھی نہ بھیجوں گی اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میری پاداش عمل اور نمود کار دیکھو تو میں تم تمام سے کچھ نہ کہوں گی کہ میں تمام کے ساتھ کیا کرنے والی ہوں بادشاہوں کو چاہیئے کہ گزشتہ بادشاہوں کو دیکھیں اور امرار کا فرض ہے کہ وہ گزشتہ امرار پر نظر ڈالیں سلطان ملک شاہ الپ ارسلان اور طغرل بیگ قبر کے اندر سے زبان حال

سے کہتے اور منادی کرتے ہیں کہ لئے بادشاہ لے آنکھوں کی ٹھنڈک اپنی رعایا کے معاملہ میں احتیاط کرو، بچتے رہو، ڈرتے رہو، اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ ہمارا کیا انجام ہوا ہے اور ہم کس نوبت پر پہونچے ہیں اور کس قدر ہولناک منظر ہم دیکھ رہے ہیں تو تم ایک رات بھی شکم سیر ہو کر نہ کھاتے اور ایک دن بھی شوق کے کپڑے نہ پہنتے اور تمہاری رعایا میں سے کوئی شخص بھی ننگا بھوکا نہ رہنے پاتا تم جو بھی خزانہ رکھتے ہو قیامت کے دن اس کو تم پر پیش کریں گے اور تمہارا کردار بھی تمہارے سامنے پیش کیا جائے گا کیوں کہ قرآن مجید اس کے متعلق اس طرح نصیحت کرتا ہے۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔

یعنی جو شخص ذرہ برابر بھلائی کریگا وہ اس کو دیکھے گا اور جو شخص ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کو دیکھ لیگا۔"

جو تم چاہتے ہو کر دکیوں کہ قیامت کے دن تم دوبارہ ذرہ ذرہ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لوگے، حدیث میں آیا ہے کہ رات اور دن کے چوبیس گھنٹے ہیں، ہر بندہ پر کہ چوبیس گھنٹے یہ خزانے پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) ایک خزانہ تو روضیا سے لبریز پیش کیا جاتا ہے یہ طاعت کی گھڑی ہوتی ہے اس وقت اس کے دل میں اس قدر مسرت و شادمانی ہوتی ہے کہ ہشت بہشت کی خوشی اس کے مقابلے

میں کم ہے، کیونکہ یہ طاعت اللہ کی خوشنودی کی خوشخبری سنانے والی ہوتی ہے۔

(۲) دوسرا خزانہ بندہ پر خالی پیش کیا جاتا ہے یہ گھڑی خواب و غفلت اور مباح کاموں میں مصروف رہنے کی ہوتی ہے، اس کے دل میں اس قدر افسوس و حسرت ہوتی ہے کہ اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔

(۳) تیسرا خزانہ بندہ پر ظلمت سے معمور پیش کیا جاتا ہے۔ یہ گھڑی معصیت کی ہوتی ہے اس کے دل میں اس قدر خوف اور گھبراہٹ مسلط ہوتی ہے کہ وہ کہتا ہے کاش میں پیدا نہ ہوتا۔

اے بادشاہ! آپ نے دنیا کی بہت سی دولت، لشکر اور خزانہ جمع کر لیا آخرت کے لئے بھی کچھ تیاری کیجئے آخرت کا مقام اور اس کی مدت کا اندازہ کیجئے دنیا کی مدت ظاہر ہے کہ چند روزہ ہے جو ایک روز یا ایک سانس سے زیادہ نہیں رہ گئی ہے، آخرت کی مدت کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا، اگر سات آسمان سات زمین کو دانوں سے بھر دیں اور کسی پرندہ کو حکم دیں کہ ہر ہزار سال میں ایک دانے سے بڑھ کر نہ کھائے دانے تو ختم ہو جائیں گے لیکن مدت ابد میں سے ایک لمحہ بھی کم نہ ہوگا لہٰذا خزانہ مدت کی مقدار کے مطابق جمع رکھنا چاہیئے،

یہ بھی جان لیجئے کہ قیامت کے دن جو ایک گھڑی ہزار سال کے برابر ہوتی ہے اس میں سے ہر شخص کو دوزخ سے گزرنا پڑے گا۔ وہی لوگ اس سے گذر سکیں گے جن کا ایمان صحیح سالم رہا ہو، یہ بھی جان رکھئے کہ (ایمان ایک ایسا درخت ہے جو اطاعت کے پانی سے نشو ونما پاتا ہے، اس کی جڑ عدل کی ہوتی ہے، یہ ہمیشہ ذکر حق سے مضبوط اور استوار ہوتا ہے، جب اس قسم کی اس کی تربیت نہ ہوگی تو وہ ہنگام نزع گر پڑے گا کیوں کہ اس کی جڑ مضبوط ہی نہ تھی میری ایک وصیت قبول کیجئے وہ یہ کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کو ہمیشہ ورد زبان کر لیجئے اور اس طرح کہئے کہ کوئی شخص نہ سنے خواہ آپ شکارگاہ میں رہیں یا تخت سلطنت پر یا گوشۂ تنہائی میں جہاں بھی آپ رہیں اس ورد سے ایک لمحہ بھی خالی نہ بیٹھیے، کیونکہ اس سے ایمان راسخ اور محکم ہوتا ہے)
اے بادشاہ! اگر آپ کو آخرت کے عذاب سے چھٹکارا بھی مل جائے تو یاد رکھئے کہ قیامت کی باز پرس سے آپ نجات نہ پائیں گے۔ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ یعنی تم میں سے ہر شخص نگراں کار ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعایا کا جواب دہ" اگر آپ سے باز پرس کی جائے اور کہا جائے کہ ہم نے اپنے بندوں کو اور لا الہ الا اللہ کہنے والوں کو تمہاری رعایا بنایا تھا، تم کو چند گھوڑوں کا مالک بھی ٹھہرایا تھا تم نے اپنا تمام دل اپنے گھوڑوں میں لگا دیا سرسبز مرغزاروں کی چراگاہ تھی لیکن تم ہمارے

بندوں سے غافل رہے کس لئے تم نے ہمارے خاص بندوں کو اپنے گھوڑوں سے بھی کم درجہ میں رکھا حالانکہ ہم نے کہہ دیا تھا کہ مومن کا احترام ہماری بارگاہ میں کعبہ سے بڑھ کر ہے اس وقت آپ اس سوال کا جواب کیا دیں گے۔؟

حضرت عمر بن خطاب کی یہ حالت تھی کہ ایک فقیر کا اونٹ اندھیری رات میں گم ہوگیا تھا اور آپ برہنہ پا اس کی تلاش میں دوڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے اگر ایک خارشتی بکری کی خبر گیری مجھ سے رہ گئی تو قیامت کے دن مجھ سے مواخذہ ہوگا۔

ایک صحابی نے حضرت عمرؓ کو بارہ سال بعد خواب میں دیکھا کہ نہا دھو کر صاف ستھرے سفید کپڑے پہنے ہوئے ہیں جیسا کہ کوئی شخص کسی بڑے کام سے فارغ ہوچکا ہے، صحابی نے دریافت کیا اے امیر المومنین خدا نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا، فرمایا مجھے دنیا سے گئے ہوئے کتنے سال کا عرصہ ہوا؟ کیا بارہ برس گزر گئے، فرمایا اب تک مجھ سے حساب کتاب کا معاملہ ہو رہا تھا، اگر اللہ رحیم و کریم نہ ہوتا تو عمر کا کام بہت خطرناک تھا، انسانوں میں سب سے زیادہ عادل شخص کی یہ حالت تھی آپ اپنے حال کو اس پر قیاس کیجئے، تمام بادشاہوں کے روبرو میں نے لمبی چوڑی نصیحتیں کی ہیں لیکن بس بادشاہِ اسلام کو مختصر نصیحت کرتا ہوں، ایک صحیفہ تحریر کر کے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اس میں آپ

اپنے والد بزرگوار ملک شاہ کی سیرت کو دیکھیئے اگر اعیان حکومت آپ سے کہیں کہ آپ کے والد نے فلاں شخص سے دس درہم لئے آپ دس دینار لیجئے آپ کہدیں کہ یہ زیادہ رقم کیوں لوں میرا باپ اللہ سے ڈرتا تھا کیا میں نہیں ڈرتا ہوں؟ وہ عاقل تھا نیک نامی اور رعایا کی خوشنودی کو چاہتا تھا کیا میں ایسا عقلمند نہیں ہوں؟ اگر وہ کہیں کہ آپ کے ملک میں فلاں شخص منکر خدا ہے اسے شہر بدر کر دیجئے تو ان سے پوچھئے کہ میرے والد کے زمانے میں وہ کہاں تھا جواب دیں گے کہ اسی ملک میں تھا، آپ کہدیجئے میرے باپ نے جو بنیاد رکھی ہے میں اسے کس طرح ڈھادوں؟ آپ یہ اچھی طرح یاد رکھئے کہ جو شخص عدل و انصاف میں اپنے باپ کے اصول اور طریقہ کو باطل کردے وہ عاقل نہ ہوگا اور اس کا انجام بہشت نہ ہوگا۔

اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کیجئے اس لئے کہ نعمتیں چار ہیں یعنی ایمان، اعتقاد درست، حسن صورت حسن سیرت، یہ آخری نعمت تو آپ کے اختیار کی چیز ہے، لیکن پہلی تینوں نعمتیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں، حبیب اللہ نے آپ کو ان تینوں نعمتوں سے بہرہ ور کرنے میں کوئی دریغ نہ کیا تو آپ بھی چوتھی نعمت کو اپنی طرف سے آراستہ کرنے میں کوتاہی نہ کیجئے۔

نئی حکومت کے امیرو! جو اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے ہو اگر تم چاہتے ہو کہ حکومت پائیدار اور خوشگوار ہو تو تمہارا فرض ہے کہ

ازلی دولت کی قدر شناسی کرو، کیوں کہ تمہارا بادشاہ ایک نہیں بلکہ دو ہیں ایک تو یہ شاہ خراسان ہے اور دوسرا شہنشاہ زمین و آسمان، جو تمہارا حقیقی بادشاہ ہے، کل قیامت کے دن کارکنان قضا و قدر خدا کے روبرو تم سے بازپرس کرینگے اور کہیں گے تم نے نعمت خداوندی کا حق کس طرح پورا کیا اس لئے کہ بادشاہوں کا دل اللہ کا خزانہ ہے، دنیا میں کچھ تکلیف و راحت ظاہر ہوتی ہے بادشاہوں کے دل کے واسطہ سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کہے گا میں نے اپنا خزانہ تمہارے لئے تفویض کیا تھا اور تمہاری زبان کو اس خزانہ کی کنجی بنایا تھا، اس خزانے میں تم نے امانت کو ملحوظ رکھا یا خیانت کی؟ جو شخص کسی مظلوم کا حال اس بادشاہ سے چھپائے گا وہ خزانہ میں خیانت کرنے والا مشہور ہوگا تم اس نصیحت کو کان کھول کر سن لو اور اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔

اب مجھے آپ کے سامنے دو باتیں عرض کرنی ہیں ایک عام دوسری خاص، عرض عام یہ ہے کہ طوس کے لوگ پہلے ہی بدانتظامی اور ظلم کی وجہ سے تباہ تھے، اب سردی اور قحط کی وجہ سے بالکل برباد ہو گئے، جو کچھ سو سال کے درخت تھے وہ سب خشک ہو گئے، ان پر رحم کیجئے، خدا تم پر بھی رحم کرے گا، افسوس مسلمانوں کی گردنیں مصیبت اور تکلیف سے ٹوٹی جاتی ہیں اور آپ کے گھوڑوں کی گردنیں طوقہائے زریں کے بار سے،

دوسری خاص بات یہ کہ میں بارہ برس گوشہ نشین اور دنیا سے کنارہ کش رہا پھر فخرالملک نے نیشاپور آنے کے لئے اصرار کیا، میں نے کہا زمانہ میری باتوں کے سننے کی تاب نہ لائے گا یہ وقت ہے کہ کوئی شخص ایک بات بھی سچ کہنی چاہے تو زمانے کا زمانہ اس کا دشمن بن جاتا ہے لیکن فخرالملک نے نہ مانا اور کہا کہ بادشاہ وقت نہایت عادل ہے اگر کوئی خلاف بات ہوگی تو میں سینہ سپر ہوں گا آج نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ میں ایسی باتیں سن رہا ہوں کہ اگر ان کو خواب میں دیکھتا تو کہتا کہ سب خواب پریشاں ہیں لیکن جو امور علوم عقلی سے تعلق رکھتے ہیں اگر ان پر کسی کو اعتراض ہوتا ہو کوئی تعجب کی بات نہیں کیوں کہ میری باتوں میں بہت مشکل مراحل اور پیچیدہ راہیں ہیں جن کا سمجھنا ہر کس و ناکس کے لئے دشوار ہے لیکن الحمد اللہ کہ میں نے جس سے بھی جو کچھ کہا ہے ہمیشہ تشریح و توضیح سے کہا ہے، میرے لئے یہ آسان ہے کہ اگر اس میں کوئی فرد گذاشت ہوئی ہو تو میں اس کی تصحیح کروں اور اس سے عہدہ برا ہو جاؤں لیکن میری نسبت جو یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ پر طعن کئے ہیں محض غلط ہے اور اس کو میں برداشت نہیں کر سکتا بخدا میرا اعتقاد ہے کہ امام ابو حنیفہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ایک جلیل القدر اور خاص فرد ہیں اور آپ

کو معانی و مطالب فقہ کے حقائق کے ادراک میں خاصہ عبور حاصل ہے جو شخص میرے اس عقیدہ کے سوا مجھ سے یا میری کسی تحریر یا جملہ کو میری طرف منسوب کرے تو وہ جھوٹا ہے میرا وہی اعتقاد ہے جو میں نے کتاب احیاء العلوم میں علماء کی سیرت کے شروع میں ہی لکھا ہے میں ان کو فن فقہ میں انتخاب روزگار خیال کرتا ہوں۔

اس بیان سے مقصد واقعات کی پردہ کشائی ہے درخواست یہ ہے کہ مجھے نیشاپور اور طوس اور دوسرے شہروں میں جا کر منصب تدریس کو سنبھالنے سے معاف رکھا جائے تاکہ میں گوشۂ عافیت میں زندگی گذاروں کیوں کہ آج کل کا زمانہ میری باتوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔

شاہ اسلام کا جواب اور دیگر حالات

امام صاحب کی تقریر سن کر سنجر نے کہا آج عراق و خراسان کے تمام علماء کا مجمع ہوتا تو سب لوگ آپ کے کلام سے مستفید ہوتے اور آپ کا اعتقاد معلوم کر لیتے تاہم ان حالات کو آپ اپنے ہاتھ سے قلمبند کیجئے تاکہ ممالک میں مشتہر کئے جائیں جن سے لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ میرا اعتقاد علماء کی نسبت کیسا ہے، آپ کو درس کی خدمت ضرور قبول کرنی ہو گی فخر الملک جس نے آپ کو نیشا پور کے قیام پر مجبور کیا تھا۔ میرا ادنیٰ خادم تھا میں حکم دوں گا کہ تمام علماء سال میں ایک بار آپ کی خدمت میں ہوں اور اپنی مشکلات آپ سے حل کریں اگر کسی کو آپ سے مخالفت ہے تو وہ آپ کے پاس آئے اور آپ کے روبرو اپنے شبہات پیش کر کے ان کا ازالہ کرے۔

جب بادشاہ نے آپ سے درخواست کی کہ یہ تقریر اپنے ہاتھ سے لکھئے تو حجۃ الاسلام لشکر گاہ سے شہر میں آئے، تمام

شہر استقبال کو نکلا اور لوگوں نے جشن عام کر کے امام صاحب پر زر و جواہر نثار کیئے، امام صاحب نے یہ تقریر لکھ کر بادشاہ کے پاس بھیج دی بادشاہ نے دوبارہ اپنے روبرو اس تقریر کو پڑھوا کر سنا،

کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ شکار کو گیا تو حجۃ الاسلام کی خدمت میں ایک شکار ہدیۃً روانہ کیا حجۃ الاسلام نے اس کے معاوضہ میں "نصیحۃ الملک" کتاب تصنیف کر کے بادشاہ کی خدمت میں ارسال کی اس کتاب میں عدل و انصاف کی ترغیب و تحریص میں گراں قدر نصائح اور بلیغ ارشادات ہیں امام صاحب نے اپنے ہاتھ سے اس کتاب کا ایک حصہ لکھا تھا جس میں بادشاہ اسلام کی نصیحت کا ایک باب تھا۔

امام صاحب سے ایک سوال

جب امام صاحب اعزاز و اکرام کے ساتھ طوس پہونچے تو آپ کے مخالفین آپ کو لشکرگاہ میں دیکھ کر بہت پریشان ہوئے چند لوگ لشکرگاہ سے اٹھے اور طوس میں آئے آپ خانقاہ میں بیٹھے ہوئے تھے آپ سے پوچھا ہمیں آپ سے ایک سوال کرنا ہے اگر اجازت ہے تو عرض کریں آپ نے فرمایا عقلیات میں عقل کا اور منقولات

میں قرآن کا آئمہ میں سے میں کسی کا مقلد نہیں، نہ امام شافعی کا اور نہ امام ابو حنیفہ کا۔

مخالفین کے اعتراضات وشبہات

مخالفین امام صاحب کا یہ جواب سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور امام صاحب کے بعض تصنیفات (مشکواۃ الانوار وکیمیائے سعادت) کے مطالب جن پر انہیں شک وشبہ تھا لکھ کر ان پر اعتراضات کر کے بھیجے، امام صاحب نے نہایت تحقیق اور تفصیل کے ساتھ ان اعتراضوں کا جواب لکھ کر ان کے پاس روانہ کر دیا مخالفین کے اعتراضات یہ ہیں۔

(۱) امام الائمہ حجۃ الاسلام ان اشخاص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کتاب مشکواۃ الانوار اور کیمیائے سعادت میں سے چند الفاظ پر اعتراض کرتے ہیں مثلاً یہ کہ لا الہ الا اللہ توحید عام ہے اور لا ھو الا ھو توحید خاص ہے۔

(۲) لا اور الا کا مفہوم

(۳) خدا کے نور حقیقی سے کیا مراد ہے۔

(۴) دنیا میں روح انسانی تنہا و اجنبی ہے اور اسے عالم بالا کا شوق دامن گیر رہتا ہے؟ حالانکہ یہ قول عیسائیوں اور فلاسفہ کا ہے۔

(۵) راز ربوبیت کا افشا کفر ہے، اگر یہ راز صحیح طور پر ہو تو کفر کیوں کر ہوا اگر جھوٹ ہے تو راز ربوبیت میں جھوٹ کا کیا دخل؟

جوابات

بیماروں کی قسمیں

مشکل و دشوار مسائل کا پوچھنا ایسا ہے جیسا کہ طبیب کے روبرو دل کی بیماری کا معائنہ کرایا جائے۔

سوالات کا جواب دینا گویا بیمار کو اچھا کرنے کی کوشش کرنا ہے جو لوگ جاہل ہیں وہ بیمار ہیں فی قلوبہم مرض ان کے دلوں میں بیماری ہے، اور علماء طبیب کی حیثیت رکھتے ہیں، لہٰذا جو عالم ناقص و نااہل ہے اس کو ایک طبیب بننا سزاوار نہیں ہے عالم کامل ہر جگہ علاج نہیں کرتا، بلکہ انہی بیماروں کا علاج کرتا ہے جن میں شفا کی امید پائی جاتی ہے، بیماری جب پرانی (مزمن) ہو اور بیمار بے عقل تو طبیب کی حذاقت اور مہارت یہ ہے کہ ایسے وقت وہ یہ کہدے کہ یہ بیمار علاج کے قابل نہیں، اس کا علاج کرنا گویا وقت ضائع کرنا ہے اس قسم کے مریضان جہل کی چار قسمیں

ہیں ایک گروہ تو اس میں علاج کے قابل ہے اور بقیہ تین گروہ کسی طرح علاج کے قابل نہیں۔

پہلا وہ شخص ہے جو حسد کی وجہ سے اعتراض کرتا ہے، اور حسد ایک مزمن بیماری ہے اور اس کا علاج کسی طرح ممکن نہیں کیوں کہ اس کے اعتراض کا تم چاہے کتنا ہی صاف اور روشن جواب دو اس کو بے حد طیش آئے گا اور حسد کی آگ اس کے سینہ میں بھڑک اٹھے گی اس لئے ایسے شخص کے سوال کا جواب ہی نہ دینا چاہیئے۔

کل العداوۃ قد ترجی اماتتھا

الا عداوۃ من عاداک من حسد

(ترجمہ) ہر دشمنی کے فنا ہونے کی امید کی جاتی ہے لیکن حاسد کی دشمنی کبھی ختم نہیں ہوتی۔

پھر اس کی تدبیر یہ ہے کہ ایسے شخص کو اس بیماری میں چھوڑ دیں اور اس سے روگردانی کرلیں، فاعرض عن من تولّٰی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوۃ الدنیا ذالک مبلغھم من العلم ان ربک ھو اعلم بمن ضلّ عن سبیلہ وھو اعلم لمن اھتدیٰ

(ترجمہ) پس جس نے ہماری یاد سے منہ پھیر لیا ہے اور سوائے زندگانی دنیا کے اور کسی چیز کا خواستگار ہی نہیں پس تم بھی اس سے منہ پھیر لو ان کے علم کی انتہا اتنی ہے بیشک تمہارا پروردگار اس سے بھی

خوب واقف ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے، اور اس سے بھی آگاہ ہے جس نے ہدایت پائی۔

(حاسد جو کچھ کہتا ہے اپنے خرمن میں آگ لگاتا ہے کیوں کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا لیتا ہے جیسا کہ آگ لکڑیوں کو اس لئے یہ قابل رحم ہے نہ کہ قابل بحث و مجادلہ۔)

دوسرا بیمار وہ ہے کہ جس کی بیماری حماقت اور بے عقلی کی وجہ سے ہے، یہ بھی علاج کے قابل نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کر دیا لیکن احمق کے علاج سے قاصر رہے یہ وہ شخص ہے جس نے عمر علوم عقلی میں صرف نہ کی اور اسی حالت میں اس شخص پر اعتراض کرتا ہے جس نے اپنی تمام عمر علوم عقلی کے مطالعہ میں گذار دی، اور اتنا نہیں جانتا کہ جو اعتراض ایک عام شخص کے دل میں گذرا ہے وہ عالم کے دل میں بھی پیدا ہوا ہوگا پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جو چیز عالم نہ جانتا ہو اس کو ایک عام شخص جان لے تمام فقہاء، ادباء، مفسرین، محدثین، اور مختلف علوم میں حصہ لینے والے، علوم عقلی میں عامی ہوتے ہیں، اکثر متکلمین بھی ایسے ہی ہوتے ہیں کہ علم کلام کو سطحی نظر سے پڑھتے ہیں اور اس کی گہرائی تک نہیں پہونچتے، جب ایسے لوگوں کا اعتراض الذف

قابل نہیں تو دوسرے اشخاص کے اعتراض کا جواب جنہوں
نے کسی علم میں غور خوض نہیں کیا کس طرح دیا جائے قرآن
مجید میں حضرت موسیٰ و حضرت خضر کا جو واقعہ بیان ہوا ہے
وہ اس مسئلہ پر براہ راست روشنی ڈالتا ہے جب عوام میں سے
کوئی شخص یتیموں کی کشتی میں سوراخ کر دے تو قابل اعتراض
لیکن جب کوئی عالم کامل سوراخ کر دے تو اس پر اعتراض نہیں
کرنا چاہیئے یتیموں کے مال کی حفاظت سے جس طرح ہر شخص واقف ہے
اس طرح عالم کو بھی اس کی واقفیت ہے لیکن اس کے باوجود جب
وہ کشتی میں سوراخ کرتا ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہے
جس سے وہ باخبر ہے اس کے پیش نظر اس کے علم کا
انکار نہیں کیا جا سکتا، بلکہ حق تعالیٰ کی معرفت ربوبیت کی
پہچان اور آسمان و زمین کی ملکوت کا جاننا سیر و سیاحت سے
کمتر نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص روئے زمین کے تمام علوم پڑھ لے اور
تمام صناعات سیکھ جائے لیکن اس نے سیر و سیاحت کی
زحمت نہیں اٹھائی ہے تو اس کو حق نہیں پہونچتا کہ وہ سیاح پر
اعتراض کرے، اگر اس نے سیر و سیاحت بھی کی ہے تو
اسے کوئی حق نہیں کہ اس سے بڑھ کر ماہر و استاد پر کوئی اعتراض
کر بیٹھے بلکہ جو کچھ اس کی نظر میں مخالف نظر آئے اسے چاہیئے
کہ اس کو اپنی کوتاہی فہم پر محمول کرے جب اتنی عقل اس کے پاس

نہیں ہے تو اس سے احتراز کر لینا چاہئے اور اس کے سوالات و اعتراضات کے جواب میں وقت نہ ضائع کرنا چاہئے۔

تیسرا بیمار وہ ہے جو رہبر چاہتا ہے اور منزل مقصود کی تلاش و جستجو میں مصروف ہے جو بھی چیز اس کی سمجھ میں نہیں آتی اس کو یہ اپنے علم کی کوتاہی پر محمول کرتا ہے اور کوئی اعتراض نہیں کرتا بلکہ وہ اصل مسئلہ کی حقیقت سے واقف ہونا چاہتا ہے اور سوال بھی کرتا ہے تو معلومات کے اضافہ اور راہِ حقیقت کا پتہ چلانے کے لئے کرتا ہے مگر وہ کند ذہن ہوتا ہے اس کا فہم و فائق علوم کے ادراک سے قاصر ہوتا ہے، اس کے جواب میں بھی وقت کو رائیگاں نہ کرنا چاہیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم انبیاء کا گروہ ہیں ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے ان کی عقل اور سمجھ بوجھ کے مطابق گفتگو کریں اس سے یہ مراد نہیں کہ کم عقلوں سے راستی کے خلاف بات چیت کی جائے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان سے ایسی باتیں کریں جن کو یہ سمجھ سکیں اور جن باتوں کے سمجھنے کی ان کے اندر سکت نہیں ان کو نہ کہیں بلکہ آگاہ کر دیں کہ یہ تمہارا کام نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر ان سے دقیق مسائل بیان کئے جائیں تو سوائے انکار و تکذیب کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا قرآن مجید کی یہ آیت ایسے ہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔

وَاِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْکٌ قَدِیْمٌ (سورۂ احقاف)

اور چونکہ انھوں نے اسکے بارے میں ہدایت نہیں پائی ہے اس لئے وہ تو یہی کہیں گے کہ یہ تو پرانا جھوٹ ہی بلکہ انھوں

بَلْ کَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا یَاْتِهِمْ تَاْوِیْلُهٗ (سورۂ یونس)

نے اس کو جھٹلا دیا جس کے علم کا وہ احاطہ نہ کر سکے اور جس کا مطلب اُن تک پہنچا ہی نہیں

چوتھا بیمار وہ ہے جو طلبگار ہدایت بھی ہے اور اس کے ساتھ ہوشیار اور تیز فہم بھی اس پر عقل غالب رہتی ہے یعنی وہ غضب و شہوت اور حب جاہ و مال کی محبت سے مغلوب نہیں ہو جاتا، یہی ایک شخص قابل علاج ہے، پیش نظر سوالات کا جواب ایسے ہی شخص کے لئے اس کے فہم و ادراک کے مطابق دیا گیا ہے پھر اس کے بعد اگر تمہیں کوئی ایسا شخص نظر آئے جس کو اس جواب سے تشفی نہیں ہوتی تو تم تعجب نہ کرو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ مذکورہ بالا تینوں گروہوں میں سے کسی ایک میں ہو اکثر لوگ انہی تین گروہوں میں سے ہیں چوتھا گروہ شاذ و نادر طور پر پایا جاتا ہے۔

توحید کا مفہوم

تم نے سوال کیا ہے کہ یہ امر کہ لا الہ الا اللہ عوام کی توحید ہے اور لا ھو الا ھو خواص کی توحید، اس کے کیا معنی ہیں اس میں دو شبہات ہیں ایک یہ کہ جب تم نے لا الہ الا اللہ کے کلمہ پر طعنہ کیا تو اس کے نقص کی طرف اشارہ کردیا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے حالاں کہ تمام مخلوق کی نجات و سعادت کا سبب یہی کلمہ ہے اور یہی تمام ملل و مذاہب کی اصل بنیاد ہے۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ لفظ لا ھو الا ھو باہم متناقض ہے کیوں کہ یہ استثنار ہیں مستثنیٰ منہ ہے ایک چیز مستثنیٰ بھی ہوا اور مستثنیٰ منہ بھی یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب سنو! تم نے یہ جو سمجھا ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ میں نقص ہے . . . غلط سمجھا ہے بلکہ اسکے معنیٰ یہ ہیں کہ لا الہ الا اللہ کے مجرد معنی عام ہیں اس میں تمام مسلمان شریک ہیں یعنی کامل و ناقص، خاص و عام بلکہ یہود و نصاریٰ بھی یہی کہتے ہیں، نصاریٰ جو تثلیث کے قائل ہیں اس سے ان کی منشا یہ نہیں ہے کہ خدا تین ہیں بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ خدا تو ایک ہے اور صفات میں سہ گانہ ان کے الفاظ

یہ ہیں کہ جوہری اعتبار سے ایک ہے اور صفاتی (اقنومی) حیثیت سے تین اقنوم صفات کو کہتے ہیں اس کی تشریح لاطائل وطویل ہے باقی رہا لاھوالاھو تو اس میں لاالہ الا اللہ کے پورے معنی جلوہ گر ہیں، لیکن اس میں بے شمار مظاہر ومعانی پوشیدہ ہیں جہاں تک بجز خواص کوئی نہیں پہونچ سکتا، اور عوام کی عقل وادراک سے بیرون ہیں۔ لیکن لاالہ الا اللہ کے معنی تو تمام عوام سمجھ سکتے ہیں۔

توحید کے درجات

جب تمہیں معلوم ہوگیا کہ دونوں کلمات کے معنی توحید کے مختلف درجات کا مظہر ہیں تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ توحید کے کئی مدارج ہیں، ایک ظاہری درجہ ہے جہاں تک تمام لوگ پہونچتے ہیں، یہ چھلکے کی مثال ہے اس کا ایک درجہ حقیقی ہے جو مغز کی مانند ہے۔ پھر اس مغز کا بھی ایک اور مغز ہوتا ہے اس کی تشبیہ اخروٹ سے دے سکتے ہیں کہ اس کا پوست ہوتا ہے پھر اس پوست کا بھی پوست ہوتا ہے پھر اس میں مغز ہے اور اس کا ایک اور مغز ہے جو اس کا روغن ہے پھر توحید کے تفاوت مدارج ہیں۔

پہلا درجہ بے اعتقادِ دل زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے تمام منافقین اس میں شریک ہیں اس میں توحید کا بھی احترام ہے، کیوں کہ اس دنیا کی سعادت اس سے حاصل ہوجاتی ہے یہاں تک کہ اس کے کہنے والے کی جان اور اس کا مال اس سے محفوظ ہوجاتا ہے اور اس کے اہل و عیال مامون و مسئون ہوجاتے ہیں۔

دوسرا درجہ حقیقی معرفت کے بغیر بہ سبیل تقلید اس کلمہ کے معنیٰ کا اعتقاد رکھنا تمام عوام اس درجہ پر پہونچے ہوئے ہیں۔ جب یہ اعتقاد پختہ ہونے کے قریب ہوجائے تو دونوں جہاں اس کا ثمر ہوں گے جس میں جملہ انبیاء کی تصدیق بھی شامل ہے، اس قسم کے لوگ اگرچہ اہل معرفت کے کمال سعادت کو نہیں پہونچے لیکن عالم آخرت میں اہل نجات میں سے ہوں گے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس کلمہ کے معنیٰ دلیل و برہان کے ذریعہ اس طرح منکشف و محقق ہوجائیں کہ اس کے ماننے اور کہنے والوں کو برہان حسابی کے ذریعہ یہ شعور و احساس ہوجائے کہ جس طرح تین تیرہ انتالیس (۳ × ۱۳ = ۳۹) ہوتے ہیں اسی طرح وحدانیت حق تعالیٰ کو سمجھیں وہ اس شخص کی طرح نہ ہوں جو حساب تو خود نہیں جانتا بلکہ کسی کی زبانی سن چکا ہے کہ ۳ × ۱۳ = ۳۹ ہوتے ہیں وہ اس پر اعتقاد رکھتا ہے اور تقلید کے طور پر اس کی

تصدیق کر لیتا ہے، مذکورہ بالا درجوں میں بھی فرق ہے۔ پہلا صاحب مقالہ دوسرا صاحب عقیدہ، اور تیسرا صاحب معرفت ہے ان تینوں سے کوئی بھی صاحب حال نہیں ہے۔ کیوں کہ ارباب حال اور ہیں ارباب معرفت دقول اور۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ وہ شخص صاحب معرفت بھی ہے اور صاحب حال بھی جس کا بجز ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں جس شخص پر خواہش نفسانی غالب ہو اس کا معبود ہوائے نفس ہے افرایت من اتخذ الٰھہ ھواہ۔۔۔۔ یعنی کیا تم نے ایسے شخص کو دیکھا۔ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا، معبود وہ ہے جس کی پوجا کی جائے اور اسی کی غلامی کی جائے اور اسی کے نشہ میں چور رہیں، جو شخص اس کے خیال میں مگن رہتا ہے اسی کا بندہ ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں بندۂ ہوس، بندۂ شکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پرستار درہم و پرستار دینار ہلاک و تباہ ہو جائے، آپ نے ان تمام کے پجاریوں کو بندہ کہا کیوں کہ وہ اسی کے خیال میں بندھے رہتے ہیں۔ لہٰذا جس شخص کی خواہش اس کے قبضۂ اقتدار میں ہو اور اللہ کی اطاعت میں ہو اس کا کلمہ لا الٰہ الا اللہ درست ہوگا اس کی توحید قلبی بھی ہوگی اور زبانی بھی اگر ایسا نہ ہو تو اس کلمہ کا مقصد فوت ہو جائے گا زبان سے تو کلمہ کہے لیکن دل میں اندیشہ رکھے خواہ یہ کلمہ ٹھیک ہی طور پر ادا کیوں

نہ ہو کہنے والا جھوٹ کہتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا الہ الا اللہ ہمیشہ مخلوق سے اللہ کے عذاب کو دور کرتا رہے گا تا وقتیکہ وہ اپنی دنیا کو اپنے دین پر ترجیح نہ دیں اگر وہ ترجیح دیں گے اور پھر کہیں گے لا الہ الا اللہ تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا تم جھوٹ کہتے ہو تم اپنے اس قول میں سچے نہیں ہو، پھر یہ شخص اگرچہ اس کلمہ کو کہتا ہے اور اس کے معنی بھی سمجھتا ہے لیکن جب اس کا دل و دماغ دنیا کی طرف اور جاہ و خواہشات کی طرف لگا ہوا ہے اور تمام حالات میں فرمان خداوندی کو ملحوظ نہیں رکھتا ہے تو وہ اس کلمہ میں جھوٹا ہے، کیونکہ اس کا پہلا جھوٹا یہ ہے کہ وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو کہتا ہے اللہ اکبر فرشتے کہیں گے جھوٹ کیوں کہتا ہے؟ اگر تیرے دل میں خدائے تعالیٰ بزرگ و برتر ہوتا تو اللہ کی اطاعت کرتا نہ کہ شیطان کی اللہ کو تلاش کرتا نہ کہ دنیوی جاہ اور خواہشات نفسانی کو، جب وہ یہ کہتا ہے کہ انی وجھت وجھی للذین فطر السموات فرشتے کہیں گے جھوٹ کیوں کہتا ہے؟ اگر تو اس ظاہری توجہ سے خدا کی طرف رخ کرنا چاہتا ہے۔ تو مت کر کیوں کہ وہ اس جہت میں نہیں ہے اگر خالص دلی توجہ سے اس کی طرف منہ کرتا ہے تو تیرا دل دنیا کے جاہ و مال حشمت و شوکت اور خواہشات نفسانی کی طرف لگا ہوا ہے تو ایسی ہستی کے سامنے کیوں جھوٹ کہتا ہے جو تیرے باطن کو جانتا ہے اور یہ بھی

جانتا ہے کہ تیرا دل کس طرف ہے جب وہ کہتا ہے ایاک نعبد تو اس کی اسی طرح تکذیب کی جاتی ہے کہا جاتا ہے کہ تو تو پرستار درہم و دینار اور بندۂ جاہ و حشمت ہے تو اسی کی پرستاری کرتا ہے۔

پھر یہ شخص جو لا الہ الا اللہ کہنے والوں میں سے ہے۔ لیکن اس کا حال و درجہ اس شخص کے برابر ہرگز نہ ہوگا جس نے اپنے تقوی کی باگ تمام شہوتوں کے منھ میں ڈال کر اپنے قبضہ میں روک رکھی ہے۔ اور بجز فرمان حق اور کوئی کام نہیں کرتا۔

توحید و معرفت کی مثال مسہل کی طرح ہے جس کا مقصد اندرون بدن کو فاسد اخلاط و رطوبات سے پاک کرنا ہوتا ہے جب مسہل پیا جائے اور یہ کچھ عمل نہ کرے تو شفا و تندرستی حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ اس میں خطرہ ہے اس طرح توحید کا مسہل جب دل میں اترتا ہے اگر ہوا و ہوس کی بیماری کو زائل نہ کر دے، وہ ایسا مسہل ہوگا جو بیکار ہے، یہ شخص اس آدمی کے برابر کیسے ہو سکتا ہے جس کی توحید نے تمام قیود و حدود سے آزاد کر دیا اور اس کو صرف ایک ہی ذات کا پرستار بنا دیا یہ دونوں لا الہ الا اللہ کہنے والوں سے ہیں لیکن ان دونوں کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہے۔

پانچواں درجہ یہ ہے کہ یہ توحید کا مسہل انسان کے

دل میں اس امر کا مقتضی نہ ہو کہ شہوت کو مغلوب کر دے اور خواہش و ہوا کو زیر دست بنا دے۔ بلکہ اس کی فطرت کا تقاضا یہ ہو اکہ بالکلیہ ہوا اور شہوت کو نیست و نابود کر دے تاکہ وہ کسی کام میں شہوت کی پیروی نہ کرے وہ نقل و حرکت کرے تو اللہ کے لئے بود و باش کرے تو اللہ کے لئے اور بات چیت کرے تو اللہ ہی کے لئے یہ شخص روٹی کھاتا ہے تو اس لئے نہیں کہ اس سے لذت حاصل کرے بلکہ اپنی طبعی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کھاتا ہے تاکہ اس سے اطاعت و عبادت گذاری کی قوت حاصل کرے قضائے حاجت کو اس لئے جاتا ہے کہ عبادت کو فراغدلی سے ادا کرے وہ سوتا ہے تو آسائش کے لئے نہیں بلکہ عبادت کے لئے تجدید قوت کی خاطر نکاح کرتا ہے تو شہوت لانے کے لئے نہیں بلکہ اتباع سنت اور ازدیاد امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تاکہ افراد امت کی فراوانی پر فخر و مباہات کیا جائے۔ غرض کہ اس کے تمام تر حالات اسی قسم کے ہوتے ہیں اس کا دیکھنا اس کا سننا اور اس کی بات چیت سب اللہ ہی کے لئے ہوتی ہے' اس درجہ اور درجہ چہارم کے مابین بہت بڑا فرق ہے کیونکہ درجۂ چہارم والے شخص کو توحید نے بالکلیہ شہوت و خواہشات سے آزاد نہیں کیا ہے۔ ہاں خلاف شرع خواہشات و مرغوبات

سے کنارا کش کر دیا ہے لیکن درجہ پنجم والے شخص کو توحید علی الاطلاق شہوتوں کے گرداب سے نکال لائی ہے۔

چھٹا درجہ یہ ہے کہ اس شخص کو توحید اولاً نہ صرف بالکلیہ اس کے اپنے قبضۂ آخرت کائنات کے جملہ قیود و حدود سے آزاد کر دے بلکہ اس کو قبضۂ آخرت سے بھی ایسا ہی باہر کر دے جیسا کہ اس کے پیش نظر و ہمت دنیا میں نہ اس کا ادراک رہا اور نہ اس کا نفس جو کچھ دنیا و آخرت میں ہے بجز خدائے تعالیٰ اس کی تعظیم کا مرکز نہ بنے اپنے کو فراموش کر دے اور ماسوائے اللہ کو بھی بھلا ڈالے اور تمام سے یہ پوشیدہ ہو جائے اس سے تمام اشیاء کائنات روپوش ہو جائیں نہ ذرہ رہے نہ کائنات، ایک حق رہے اور بس۔ قل اللہ ثم ذرھم (کہہ دے اللہ پھر ان کو چھوڑ دے) اس کا حال ہو کل شیئ ھالک الا وجھہ اس کا سرمایۂ زندگی، اہل بصیرت اس درجہ کو فنا فی التوحید کہتے ہیں کہ بجز حق باقی ساری کائنات فانی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ اپنی فنا پر توجہ کرے تو اس التفات کے ذریعہ اللہ کی توجہ کا مرکز بنے گا اور جو شخص اس ادراک کی طاقت نہیں رکھتا سمجھتا ہے کہ یہ طاقت لاحاصل ہے۔ اپنی توحید کا کمال یہ ہے کہ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احببته کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ولسانہ الذی ینطق بہ

بندہ جب تک نوافل کے ذریعہ میرے قریب آتا رہے گا یہاں تک کہ میں اس سے محبت کر لوں جب میں اس سے محبت کر دوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنا کرتا اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھا کرتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولا کرتا ہے۔

درجۂ پنجم والا خود ہی ہوتا خود ہی کہتا سنتا اور دیکھتا ہے لیکن یہ نماز صرف خدا کے لئے کرتا ہے نہ کہ اپنے واسطے لیکن درجۂ ششم والا نہ خود ہوتا ہے نہ خود دیکھتا نہ سنتا نہ کہتا ہے بلکہ حق کی زبان سے کہتا ہے۔ حق کے کان سے سنتا ہے اور ہر شئے میں حق ہی کو جلوہ گر دیکھتا ہے، اول الذکر تمام چیزوں کو دیکھتا ہے لیکن خدائے تعالیٰ کو ان تمام کے درمیان اور ساتھ دیکھتا ہے اور کہتا ہے مجھے ہر چیز میں خدا نظر آتا ہے۔ لیکن مؤخر الذکر شخص کائنات میں بجز خدا کے کسی اور کو نہیں دیکھتا اور پکار اٹھتا ہے۔

ما اری الا اللہ ولیس فی الوجود غیر اللہ

یعنی میں صرف خدا ہی خدا کو دیکھتا ہوں اور موجودات میں سوا اللہ

کوئی نہیں۔

وہ کہے گا کوئی معبود نہیں سوائے خدا کے اور یہ شخص کہے گا۔ کوئی موجود نہیں سوائے خدا کے پھر اس شخص کی توحید اس شخص کی توحید کا ایک جزو ہے کیوں کہ اس نے اللہ کے سوا جملہ معبودوں کی نفی کردی اور اس نے اللہ کے سوائے تمام موجودات کی نفی کی ظاہر ہے کہ نفی معبود کے مقابلہ میں نفی موجود میں توحید زیادہ ہے اس لحاظ سے جس طرح مدارج توحید اس شخص کی توحید میں مضمر تھے اور اس کو ان مراحل کے طے کرنے میں حاصل ہو گئے اسی طرح اس کی توحید دوسروں کے تمام توحیدی درجات کے ساتھ اس شخص کی توحید کی راہ حاصل ہے لہذا وہ شخص اس خاص الخاص شخص کے حق میں عامی ٹھہرا۔ جیسا کہ دوسرے درجات والے اس کے حق میں عامی تھے کمال درجۂ توحید یہی درجہ ششم ہے اس مقام والوں کو اکثر حالات میں یہ درجہ تقریباً سکر و بدمستی کا عالم طاری کر دیتا ہے اس حالت سکر میں یہ لوگ دو قسم کی غلطیاں کر جاتے ہیں ایک شخص یہ سمجھتا ہے کہ مکمل اتحاد حاصل ہو گیا ہے اور وہ خود حق بن گیا ہے۔ خدا و بندہ دونوں ایک ہو گئے ہیں، دوسرا سمجھتا ہے کہ اتحاد محال ہے لیکن سمجھتا ہے کہ اتحاد حاصل ہو گیا اور اس اتحاد کو حلول سے تعبیر کرتے ہیں پھر اتحاد کا خیال کرنے

والا یہ کہہ دیتا ہے انا الحق وسبحانی وما اعظم شانی جب وہ اس مدہوشی سے عالم ہوش یعنی دنیا رسکر سے دنیا رصحو یں قدم دھرتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ جو کچھ یہ سمجھ رہا تھا غلط تھا کیوں کہ کوئی عرض جوہر میں یا کوئی جسم کسی جوف دار جسم کے اندر حلول کرتا ہے اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہیں خود دو چیزوں کا اتحاد محال ہے چاہے وہ دونوں حادث ہی کیوں نہ ہوں اس لئے کہ جب یہ دونوں متحد ہوں تو یہ تین حالتوں سے خالی نہ ہوں گے دونوں ایک ساتھ موجود ہوں گے پھر تو وہ متحد نہ ہوئے کیوں کہ دونوں موجود ہیں یا دونوں معدوم ہوں گے، پھر تو یہ دونوں موجود نہ ہوں گے، یا یہ کہ ایک موجود ہو اور دوسرا معدوم اس صورت میں اتحاد نہیں لہٰذا کمالِ توحید اس کلمہ میں ہے کہ سوائے ایک کے موجود نہیں کمالِ توحید اس میں نہیں کہ سوائے ایک کے کوئی معبود نہیں اگرچہ ایسا کہنا بھی صحیح ہے لیکن توحید بمقابلہ اس کے پہلے کلمہ میں زیادہ پائی جاتی ہے۔

سوال۔ آپ کا یہ قول کہ سوائے ایک کے کوئی موجود ہی نہیں محال بلکہ خلاف عقل ہے کیوں کہ آسمان زمین، ستارے، فرشتے اور شیاطین یہ تمام موجود ہیں بنابریں آپ کا یہ قول سمجھ میں نہیں آتا کہ سوائے ایک کے

اور کوئی نہیں ہے۔

جواب۔ اگر عید کے روز کوئی بادشاہ اپنے غلاموں کے ساتھ جنگل میں جائے اور سبھوں کو ایسا ہی گھوڑا سامان شکوہ اور جھنڈا دے جیسا کہ یہ خود رکھتا ہے، اب کوئی شخص ان تمام کو دیکھ لے اور کہے کہ یہ سب مال ودولت میں مساوی حیثیت رکھتے ہیں اور سب کے سب تونگر ہیں تو اس کا یہ کہنا ایسے شخص کے حق میں درست ہوگا جس کو بادشاہ اور حکومت کی کچھ خبر نہیں لیکن جو شخص بادشاہ سے اور حکومت سے آگاہ ہے کہتا ہے کہ بادشاہ نے یہ سب سامان تجمل وشکوہ ان کو مستعار دے رکھا ہے، جب عید کی نماز ہو جائے گی واپس لے لے گا اس لحاظ سے یہ غلام تونگر نہیں ہیں بلکہ بادشاہ ہی تونگر ہے اور درحقیقت اسی کا قول صحیح ہوگا۔ کیونکہ غلاموں کو مال عارضی طور سے دیا گیا اور غلاموں کی اس مال کیطرف نسبت مجازی تھی فی الواقع مستعار مال لینے والے وہی درویش ہیں جو پہلے سے تھے، مستعار مال لینے کی وجہ سے ان پر تونگری کا اطلاق کر دیا گیا تھا، لیکن درویشی کا تعلق تو ان سے کسی طرح منقطع نہیں ہوتا۔

اب اس تمثیل کی روشنی میں اصل مسئلہ کی حقیقت اس طرح واضح ہوتی ہے کہ تمام موجودات عالم

کا وجود عارضی و ہنگامی ہے۔ کوئی چیز ذاتی طور سے وجود
میں نہیں آئی، بلکہ تمام اشیاء کا وجود اللہ کی ذات سے
وابستہ ہے اور اسی کی ذات سے چیزیں معرض وجود
میں آئی ہیں اور اللہ کا وجود ذاتی ہے۔ موجود تو درحقیقت خدا
ہی ہے، دوسری چیزیں اسی شخص کے حق میں جو نہیں
جانتا کہ یہ سب عارضی ہیں، بظاہر موجود دکھائی دیتی ہیں لیکن
جو شخص گہری نظر رکھتا ہے کہ کل شئی ھالک الا وجھہ
یعنی بجز ذات خداوندی باقی ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے
تو اس پر یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ یہ ہلاکت ازلی وابدی
ہے اس کے لئے کوئی خاص وقت مخصوص و مقرر نہیں
بلکہ تمام کائنات کی ذات تمام وقت معدوم ہے ان
کی ہستی اپنی ذات سے وابستہ نہیں بلکہ ذات خداوندی
سے مربوط ہے لہٰذا ان کا وجود مجازی ہو گا نہ کہ حقیقی،
بنا بریں یہ قول کہ بجز اس کے کہ اور کوئی موجود نہیں
ہے بالکل صحیح و درست ہو گا اس صورت میں لا ھو الا
ھو صحیح ہے کیوں کہ "ھو" اشارہ ہے موجودات
کی طرف لیکن اگر کوئی ایسی شے موجود ہو جس کے علاوہ
بھی اور چیزوں کا وجود ہے تو اس کے حق میں یہ کہنا کہ سوائے
اس کے اور کوئی موجود نہیں، درست نہیں ہے، نیز اس کی

طرف "ھو" سے اشارہ کرنا ناروا ہے، یہی معنی ہیں لا ھو الا ھو کے اگر اس کو کوئی شخص نہ سمجھے تو وہ معذور ہی ہے کیوں کہ یہ مسئلہ ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔

نورِ حقیقی سے کیا مُراد ہے

سوال۔ پوچھا گیا ہے کہ اللہ ھو النور سے کیا مراد ہے، نور وہ ہے جس کی روشنی ہوتی ہے اور شعاع بھی ہوتی ہے۔

جواب:۔ میں نے اپنی کتاب میں نور کے معنی کی اس طرح تشریح کردی ہے کہ اگر کوئی شخص اس میں غور کرے تو اس کے لئے نور کی حقیقت الم نشرح ہو جائے گی اگر یہ نور اس نور کے علاوہ نہ ہوتا جس میں شعاع پائی جاتی ہے اور جو تمام کی نگاہوں پر آشکار ہے تو اللہ تعالیٰ قرآن مجید اور رسول اکرم کو نور سے نامزد نہ کرتا اور وانزلنا علیکم نوراً مبیناً (اور ہم نے تم پر ایک کھلا نور اتارا) کوئی معنیٰ نہ رکھتا، نیز اللہ تعالیٰ نور السموات والارض نہ فرماتا، بنا بریں نور عبارت ہے ایک ایسی چیز

ہے جو نظر نہیں آتا بلکہ اس کے ذریعہ دوسری اشیاء کو ہم دیکھتے ہیں گویا یہ نور ہماری ظاہری آنکھ کے لئے جس کو نظیر کہتے ہیں ایک اضافی شئے ہے۔ دل کی بھی ایک آنکھ ہوتی ہے اور اس کے لئے بھی ایک نور ہوتا ہے جو اس کی آنکھ کے لئے اضافی ہے اور یہ باطنی آنکھ ظاہری آنکھ کی نسبت گویا بصیرت افروز نور ہے یہی وجہ ہے کہ عقل کو نور کہتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کو اور رسول کو نور سے تعبیر کرتے ہیں

یہ نور چشم دل سے نظر آسکتا ہے۔ اور چیزوں کو تو اس کے ذریعہ مشاہدہ کرسکتے ہیں لیکن خود اس کو نہیں دیکھ سکتے اس لحاظ سے ظاہری نور کی نسبت اللہ کو نور کے نام سے موسوم کرنا زیادہ اولیٰ ہے کیوں کہ دیکھنے کی قوت کو نور کہتے ہیں۔ یہی قوت اشیاء کو دیکھتی ہے، لیکن یہ خود کو مشاہدہ نہیں کرتی عقل خود کو نہیں دیکھتی مگر اور چیزوں کو دیکھ لیتی ہے اور باطنی آنکھ کی روشنی، اور رشتے خدانے قرآن اور رسول کو جو نور سے تعبیر کیا ہے وہ چشم باطن کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہے جب یہ روا ہوگیا کہ عقل کو نور کہا جائے اس لئے کہ یہ نور اشیاء کائنات کو دیکھنے کا سبب ہے عقل اور دیدار اسی نور سے وابستہ ہے۔ تمام باطنی و ظاہری ادراکات کا تعلق اسی سے ہے عالم رنگ و بو میں جو کچھ ظہور دنور اور دیدار ہے، اسی کے دم سے ہے تو عقل

کو نور سے موسوم کرنا نہایت صحیح و درست ہے جب اس کے یہ معنی درست ہو گئے اور یہ لفظ کتاب و سنت میں وارد ہوا ہے تو اللہ کو نور سے نامزد کرنے میں کیا امر مانع ہے؟

کتاب مشکوٰۃ الانوار میں اسی قبیل کی تمام تشریحات ہیں اگر لفظ پر اعتراض ہے تو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ لفظ قرآن میں آیا ہے یعنی اللہ نور السموات والارض حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج سے متعلق صحابہ نے پوچھا کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا؟ تو آپ نے فرمایا نور کو میں کس طرح مشاہدہ کرسکتا ہوں، اگر معترضین نور کے معنی پر شبہ پیش کرتے ہیں تو اس کی تشریح اوپر کردی گئی ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، دوبارہ اس مسئلہ پر اعتراض کرنا جہالت سے خالی نہیں ہوگا۔

رُوح انسانی کا اِس دُنیا میں تنہا و اجنبی ہونے کا مطلب

پوچھا گیا ہے کہ یہ قول کہ روح آدم اس دنیا میں اجنبی ہے، اور اسے تمام تر شوق عالم بالا کی طرف پرواز کر جانے

کا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ کیوں کہ اس قسم کا اعتقاد و قول نصاریٰ اور الحاد پرست فلسفیوں کا ہے۔

جواب تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ لا الٰہ الا اللہ عیسیٰ رسول اللہ یہ قول نصاریٰ کا ہے۔ لیکن ان کا یہ کہنا درست ہے باطل نہیں، مخفی نہ رہے کہ اگر کوئی باطل پرست شخص حق بات کہدے تو وہ باطل نہ ہو جائے گی انتہائی جہالت یہ ہوگی کہ کوئی شخص یہ سمجھے کہ اگر کوئی ایک بطلان خیز بات کہدے تو اس کی زبان سے جو لفظ بھی اس کے بعد نکلے گا باطل ہو جائے گا، لیکن عقلمندوں کا یہ طریقہ رہا ہے جیسا کہ امیر المومنین حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ تم خدا کو انسانوں کے ذریعہ یہ پہچانو بلکہ تم پہلے حق کو پہچانو تو اہل حق سے بھی روشناس ہو جاؤ گے بنا بریں روح آدم اس عالم میں غیر مانوس ہے، اس کا آشیانہ تو بہشت ہے اس کی دل بستگی ملاء اعلیٰ سے ہے اس کا نشیمن اور جلوہ گاہ تو اسی عالم سے ہے جس کو بہشت کہتے ہیں اور عالم علوی سے نامزد کرتے ہیں، یہ حقیقت تمام قرآن مجید میں روز روشن کی طرح عیاں ہے اور اس قول پہ دلیل و برہان، یہ بھی دھیان رکھو کہ اگر کوئی فلسفی یا عیسائی اس قسم کا نظریہ پیش کرے تو اس کا یہ نظریہ باطل نہیں ہو جائے گا کیوں کہ یہ حقیقت آیات قرآنی اور احادیث

آثار نبوی سے ظاہر و باہر ہے، لیکن نگاہ بصیرت وا کر کے کوئی شخص روح انسانی کی حقیقت کا ادراک کرے تو وہ بخوبی آشنا ہو جائے گا کہ روح کی خاصیت و فطرت پروردگار عالم کی پہچان ہے اور بارگاہِ قدس کے جلوے ہی اس کی توانائی کا سامان ہیں اس عالم رنگ و بو کے مختلف خصائص و کیفیات ہیں اس روح کی ذات سے مانوس ہیں اور اس کے لئے عارضی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے اس کے لئے روا ہوگا کہ حق تعالیٰ کی معرفت اور بارگاہ ربوبیت تک رسائی حاصل کرنے کے سوا اس کا کوئی مقصد و مطمح نظر نہ ہو، یہ زندہ ہے تو اسی تصور و جذبہ سے اور پائندہ و درخشاں ہے تو اسی تجلی شوق کی بدولت اس مسئلہ پر شرح و بسط کے ساتھ کتاب احیاء علوم اور کیمیائے سعادت میں روشنی ڈالی گئی ہے، جو شخص اس سے آگاہ ہونا چاہے تو ان کتابوں کو غور و خوض سے پڑھے جو شخص نکتہ چیں اور مخالفانہ نظر سے دیکھے تو چوں کہ اس کو ان کتابوں سے تشفی نہ ہوگی اس لئے اس مختصر جواب سے بھی اس کا دل ٹھنڈا نہ ہوگا، اس سے حسد و عناد کی زبان ہرگز بند نہ ہوگی اس لئے ایسے معترض کے سوال کا جواب دینے کی طرف توجہ کرنا بیکار ہے، ہاں اگر کوئی طالب حقیقت ایسا ہے جس کو حل مسئلہ اور حقیقت علم کی تلاش ہے اور یہ چیز اسے کتابوں

سے حاصل نہیں ہوتی ہے اور مسائل کو سمجھنے سے اس کی سمجھ قاصر اور اس کا فہم و تدبر ناقص ہے تو اسے ہمارے پاس حاضر ہو کر وہ مسائل سمجھ لینے چاہئیں کیوں کہ حقیقی اور بحث علم وہی ہے جو علماء کی زبانی حاصل کیا جائے کیوں کہ میں نے اپنی پانچوں کتابوں میں کوئی ایسی بات نہیں لکھی ہے جس کو میں ہر اس شخص کے روبرو جو فہم و تدبر رکھتا ہے اور اس کا دل حسد و عناد کی بیماری سے پاک ہے قطعی دلیل و برہان سے ثابت نہ کر سکوں لیکن اس شخص کو میں کسی دلیل و حجت سے بھی نہیں سمجھا سکتا جس کے بارے میں اس طرح ارشاد ہوا ہے:

اناجعلنا علیٰ قلوبھم	ہم نے اس کے سمجھنے سے ان
اکنۃ ان یفقھوہ وفی اذانھم	کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں
وقرا وان تدعوھم	اور ان کے کانوں میں ڈاٹ
الی الھدیٰ فلن یھتدوا	دے رکھی ہے اور اگر آپ ان
اذا ابدا	کو راہِ راست پر کسی طرح بلائیں۔

تو ایسی حالت میں وہ ہرگز کبھی راہ پر نہ آئیں۔

باقی تم نے یہ جو خواہش ظاہر کی ہے کہ اس قسم کے تمام مشکل مسائل کی تشریح کر دی جائے تاکہ وہ بخوبی آشکارا ہو جائیں تو تمہیں یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ میری کسی کتاب میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کی تشریح نہ کر دی گئی۔

ہو، اس کا سمجھنا اس شخص کے لئے آسان ہے جو فہم سلیم رکھتا ہو لیکن جو شخص فہم و تدبر نہیں رکھتا اور ان مسائل کو پڑھ کر نہیں سمجھتا اس کی تدبیر سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ہمارے پاس آئے اور ہم سے سیکھے ہماری گفتگو سنے جاہلوں کے اعتراض کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی کہ کس مقام پر پیدا ہو گا تاکہ اس کا جواب دیا جا سکے اس لئے کہ جہالت کے اسباب اور دلوں کی بیماریاں مختلف اور گوناگوں ہیں جن کا کوئی شمار نہیں اس کی طرف ہمیں توجہ کرنے کی ضرورت نہیں اگر ان کے کسی اعتراض کو رفع کرنا چاہو تو قرآن کو پیش نظر رکھو جاہلوں کے اعتراضات اور ان کے شکوک و شبہات قرآن سے بھی زائل نہیں ہو سکتے کتنے ایسے ہزاروں اشکال و اعتراضات جاہلوں کے دلوں میں جاگزیں ہیں جو ناقابل علاج ہیں دوسری باتوں میں بھی ان سے اس علاج کی طمع رکھنا محال ہے ؎

ومن یک ذا فمٍ مرٍّ مریضٍ
یجد مرًّا بہ الماءَ الزلالا

ترجمہ:۔ جس شخص کی زبان کا ذائقہ بگڑ گیا ہو اس کو آبِ شیریں بھی تلخ محسوس ہو گا۔

رازِ ربوبیت کے افشاء سے مقصد کیا ہے

سوال :- تم نے دریافت کیا ہے کہ افشاء سرِّ ربوبیت کفر ہے اس قول کا کیا مطلب ہے، اگر یہ راز درست ہو تو کفر کیوں کر ہوگا۔ اگر جھوٹ ہو تو رازِ ربوبیت میں جھوٹ کی آمیزش کیوں ؟

جواب :- اس قول کو ابوطالب مکّی نے قوت القلوب میں بعض اسلاف سے نقل کیا ہے، اور میں اس سے پیشتر اپنی کتاب میں کہہ چکا ہوں کہ بعض عارفوں نے کہا ہے کہ رازِ ربوبیت کا افشاء کفر ہے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اسرارِ ربوبیت میں بعض ایسی چیزیں ہیں جن کو بہت سے انسانوں کے عقول و افہام برداشت نہیں کر سکتے یہی وجہ ہے جو شخص اس قسم کی باتیں سننے کی تاب نہ لاسکتا ہو اس کے سامنے اس راز کا انکشاف باطل ہو جائیگا اس کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں پائی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے۔

نحن معاشر الانبیاء — یعنی ہم انبیاء کا گروہ ہیں، ہمیں
امرنا ان نکلم الناس — حکم دیا گیا ہے کہ ہم انسانوں
علیٰ قدر عقولھم — کی سمجھ بوجھ کے مطابق گفتگو کریں۔

اس راز کی ایک مثال تقدیر ہے اور دوسری مثال روح ہے، علماء راسخ ہر دو کی حقیقت سے واقف ہیں، لیکن وہ اپنی زبان سے اس راز کا افشاء نہیں کرتے کیوں کہ مخلوق انسانی میں اس راز کو سمجھنے کی طاقت نہیں اگر ان سے اس قسم کی باتیں کی جائیں گی تو ان کے کفر و شک میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے کہ

القدر سر اللہ — تقدیر اللہ کا ایک راز ہے اسکو
فلا تفشوہ — تم پر ملا نہ کر دو۔

ایک گروہ کے مذہب کے مطابق تنزیہ کی ایک مثال جہت ہے۔ جہت بھی اسی راز ربوبیت سے متعلق ہے مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ خدا کسی سمت محدود نہیں دنیا سے نہ جدا ہے اور نہ الگ، نہ عالم میں داخل ہے اور نہ اس سے خارج اور تمام شش جہات اس سے خالی ہیں اکثر لوگ جو ان تمام باتوں کے سننے کی طاقت نہیں رکھتے یہ سن کر کافر ہو جائیں گے اور کہیں گے اگر ایسا ہے تو خدا نہیں ہے کیوں کہ جو کچھ اندرون و بیرون عالم نہیں ہے وہ معدوم ہے یا یہ کہیں گے یہ

نظریہ باطل ہے ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیئے پھر وہ تشبیہ کی بھول بھلیاں میں سرگرداں ہو جائیں گے، یہ اسرار الہٰی میں سے ایک راز ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح کے ساتھ صحابہؓ سے نہیں فرمایا حالانکہ آپ جانتے تھے یہ مثال اسی قبیل سے ہے تنزیہ کا ایک مسئلہ تھا جو ایک گروہ کے مسلک کے مطابق ہے جو سلف کے طریقہ کا پیرو ہے ۔ ایک اور گروہ کے نزدیک ایک دوسری مثال سر ربوبیت کی یہ ہے وہ اس امر کے قائل ہیں کہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم ذکر و طاعت اور کفر و معصیت کے جو کچھ افعال و اقوال سرانجام دیتے ہیں ان سے خدا کی کوئی خوشی یا غصہ متعلق ہے۔ بلکہ یہ دونوں چیزیں اس کے نزدیک برابر ہیں، نہ تو اس کو غصہ آتا ہے اور نہ اسے خوشی ہوتی ہے اس لئے ہم کیوں اپنے کو تکلیف و زحمت میں مبتلا کریں، اس لئے ایک گروہ کا مسلک یہ ہے کہ غضب و رضائے الہٰی کی تاویل کس طرح سزاوار نہیں، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ خشمگیں نہیں ہوتا کہ اس کے لئے کوئی نقصان ہو، غصہ اس شخص کے لئے روا ہے جس کی خلاف مرضی کوئی دوسرا شخص کوئی کام کر بیٹھے لیکن جب خدا خود کارساز حقیقی ہے تو اس کو غصہ کیوں کر آئے اور کس پر اپنا غصہ اتارے اس طرح خوشی ایسے شخص کو ہوتی ہے جس کی مرضی کے مطابق کوئی

کام کیا جائے، یا اس کی مراد حاصل ہو، حالانکہ خدا کی کوئی مراد اور غرض نہیں ہے کہ اس کے حاصل ہونے سے وہ خوش ہو لہٰذا اللہ کی طرف خوشنودی کو منسوب کرنا محال ہے اور اس قسم کی باتیں مخلوق کے روبرو کہنا مخلوق کو اطاعت و اخلاص کے دائرہ سے باہر کر دینا اور کفر و تشکیک میں مبتلا کر دینا ہے، اس قسم کی مثالیں بے شمار ہیں نہ ہم تقدیر کے راز کو آشکار کرنے کے مجاز ہیں اور نہ روح کے سربستہ راز کے انکشاف کے روادار ایسے مسائل کے سننے سے مخلوق کو جو ضرر و نقصان لاحق ہوتا ہے وہ روشن ہے لیکن چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسئلہ روح میں الروح من امر ربی سے بڑھ کر کہنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

اس لئے ہم بھی اس سے زیادہ کہنے کے روادار نہیں، مگر عقل سلیم اور طبع فہیم رکھنے والا سمجھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتِ روح سے واقف تھے اس لئے کہ جو شخص روح کی حقیقت کو نہ جانے خدا کو نہیں پہچان سکتا یا وہ خدا کو

بمشکل پہچان سکتا ہے۔

(۵۵)

دوسرا باب

وزرات کے نام خطوط

وزراء سے متعلق امام غزالی کے بارہ خطوط ہیں۔
پانچ شہید نظام الدین فخرالملک کے نام ایک صدرالوزراء احمد بن نظام الملک کے جواب میں، تین شہاب الاسلام کے نام وزارت سے پہلے، اور تین شہید مجیرالدین کے نام ان میں سے ہر خط اسرارِ شریعت کا گلدستہ اور ہر سطر دانش و حکمت کے موتیوں کی لڑی ہے۔

نظام الدین فخر الملک کے نام
پہلا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم، امیر، حسام اور نظام اس قسم کے جتنے الفاظ ہیں وہ سب خطاب و القاب کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا تعلق رسمی امور و آداب سے ہے۔

انا واتقیاء امتی براء من التکلف — اور میں اور میری امت تقویٰ شعار و پرہیز گار تکلف سے دور ہیں

امیر کے معنی کا سمجھنا اور اس کی حقیقت کا ادراک نہایت اہم ہے جس شخص کا ظاہر و باطن امیری کے مفہوم و معنی سے آراستہ ہو وہ امیر ہے خواہ لوگ اس کو امیر سے نامزد نہ کرتے ہوں، جو شخص اس کا مصداق بننے سے عاری ہے وہ امیر نہیں ہے خواہ تمام اہل جہاں اس کو امیر کے نام سے پکارتے ہوں امیر کے معنی یہ ہیں کہ حکم اس کا اس کے لشکر پر جاری ہو، کارکنان قدرت نے جو اولین لشکر ابن آدم میں

ودیعت کیا ہے وہ اس کے باطن کی فوجیں ہیں۔ ان کی مختلف قسمیں ہیں۔

وما یعلم جنود ربک الا ھو	اور تیرے پروردگار کی فوجوں کا علم صرف اسی کو ہے۔

ان فوجوں کے سردار تین ہیں، ایک شہوت ہے جو گندگیوں اور ناپسندیدہ کاموں میں مبتلا کرتی ہے دوسرا غضب ہے جو قتل و ضرب اور حملہ کرتا ہے، اور تیسرا حرص و آز ہے جو مکر و حیلہ کرتی اور فریب دیتی ہے، اگر ان مجرد معانی کو عالم شکل و صورت کا لباس پہنا دیا جائے تو ہر ایک کی سزا یہ ہوگی کہ پہلا سور کی شکل میں نمودار ہوگا دوسرا کتے کی صورت میں اور تیسرا شیطان کے روپ میں۔

انسانوں کے دو طبقے ہیں ایک وہ طبقہ ہے جو مذکورہ بالا تینوں سرداروں کو اپنے قابو میں رکھتا ہے، اور اپنا فرمان ان پر نافذ کرتا ہے اس قسم کے لوگ امیر اور بادشاہ ہیں اور دوسرا گروہ وہ ہے جو ان کی خدمت پر کمربستہ اور شب و روز ان کی اطاعت و فرمان برداری پر آمادہ رہتا ہے اس قسم کے لوگ اسیر و غلام ہیں اس دنیا میں نابینا وہ لوگ ہیں جو امیر و بادشاہ کو گدا و مسکین کہتے ہیں اور کمینہ غلاموں کو امیر، وزیر اور بادشاہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور ارباب

نظر و اہل بصیرت بھی ایسے ہی ہیں کہ ؎

برعکس نہند نام زنگی کافور

اور تاریکی کو روشنی خار کو گل اور صحرا کو گلستان کہتے ہیں ان کو اس بات پر ذرا بھی اظہار تعجب نہیں ہوتا کہ جاننے والا جانتا ہے کہ یہ دنیا ایک جہانِ التباس اور سایۂ گذران ہے اس میں کسی قسم کا تعجب نہیں کہ دونوں عالم کی آفرینش کی بنیاد و اساس التباس پر قائم ہے، ان میں سے ایک عالم حقائق و معانی ہے جسے عالم ملکوت کہتے ہیں، اور دوسرا عالم صورت ہے جسے جہانِ موجودہ سے نامزد کرتے ہیں، جو کچھ ہمیں عالم موجودات میں دکھائی دیتا ہے وہ عدم ہے وجود نما اور لاشے ہے شئے کی صورت میں اور جو کچھ عالم حقیقت ہے وہ وجود ہے عدم نما اس تعلق اس آنکھ سے اتنا ہے کہ اس کو مخلوق انسانی مرنے کے وقت دیکھتی ہے، جب یہ آنکھ بند ہو جاتی ہے تو اس کا عالم کے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ واقعہ الٹا دکھائی دینے لگتا ہے، آنکھ جس چیز کو بقا دست سمجھتی تھی تمام فنا و نیست دکھائی دینے لگتی ہے اور جس چیز کو فنا و نیست جانتی تھی خود سراپا بقا بن جاتی ہے۔ اس وقت انسان کہے گا پروردگار! یہ کیا قصہ ہے کہ عالم تہ و بالا ہے۔ ندا آئے گی۔

فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید (ق ۲۲)

ترجمہ: پس ہم نے تیرا پردہ ہٹا دیا سو آج تیری نظر بڑی تیز ہے۔"
بندہ کہے گا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ ایسا ہو جائے گا کہے گا۔

ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحاً	پروردگار ہمارے! ہم نے دیکھ لیا سن لیا، ہمیں واپس لوٹا دے کہ ہم کام اچھے کریں۔

جواب دیا جائے گا۔

اولم نعمرکم ما یتذکر فیہ من تذکر وجاءکم النذیر فذوقوا فما للظلمین من نصیر۔	کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہ دی تھی جس میں نصیحت پکڑنے والا نصیحت پکڑے اور تمہارے پاس ڈرانے والا آیا پس تم اب اپنے کئے کا مزہ چکھو کیوں کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں

کارکنان قضاد قدر کہیں گے کیا تم نے کتاب اللہ میں نہیں سنا جو اس نے کہا تھا۔

کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمان ماءً حتی اذا جاءہ لم یجدہ شیئاً ووجد اللہ عندہ فوفاہ حسابہ	ترجمہ: جیسے کہ چٹیل میدان چمکتی ہوئی ریت کہ پیاسا اس کو پانی خیال کر لیتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اس کو کوئی چیز نہیں پاتی۔

اور اللہ کو اپنے پاس پائے گا جب وہ اس کا پورا پورا حساب کر دے گا۔

کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ عدم نما بقا اور بقا نما عدم سمجھ میں نہیں آتا، معانی کے حقائق کم درسمجھ والوں کے سامنے ایک مثال کے ذریعہ پیش کئے جا سکتے ہیں مثلاً بگولا زمین سے اٹھتا ہے اور ایک مستطیل منارہ کی صورت میں خود بخود پیچ بل کھانے لگتا ہے، کوئی دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ گرد و غبار خود کو پیچ دیتا اور حرکت کرتا ہے، ذرہ خاک میں ذرہ ہوا سرایت کئے ہوئے نہیں ہے جو اس کی اصل محرک ہے، لیکن یہ شخص ہوا کو نہیں دیکھ سکتا بلکہ گرد و غبار کو دیکھ سکتا ہے لہٰذا ذرات خاک حرکت و گردش میں ہست نما نیست ہیں اور ہوا نیست نما ہست ہے اس لئے کہ خاک ہوا کے ہاتھوں میں حرکت و گردش کرنے میں مطیع و منقاد ہے، اور تمام تر فرماں روائی ہوا کو حاصل ہے حالانکہ ہوا کی سلطنت آشکارا نہیں ہے۔

اس سے بھی زیادہ قریب کی مثال تمہاری روح و جسم ہے کہ روح نیست نما ہست ہے کیونکہ کسی پر اس کو قابو نہیں یہی روح اس پر حکمراں فرماں روا اور کارساز ہے اور جسم اس کا اسیر و غلام ہے یہ جو کچھ دیکھتی ہے جسم کے ذریعہ سے دیکھتی ہے اور جسم کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔

ایک قدم اور آگے بڑھ کر دیکھو تو یہی مثال تمام عالم کی قیوم عالم کے ساتھ ہویدا ہے کہ اکثر و بیشتر مخلوقات کے

حق ہیں قیوم عالم نیست نما ہست دکھائی دیتا ہے کیونکہ کائنات کا کوئی ذرہ اپنے وجود پر قیام پذیر نہیں بلکہ اس کے حقائق و کارساز حقیقی کے دامن سے وابستہ ہے۔ اور کارساز حقیقی ہر کے ساتھ حسب ضرورت بہم ہوگا، اور اس چیز کے وجود کی حقیقت بن کر موجود رہے گا اور قائم شدہ شئے کا وجود قیوم سے مستعار طریقہ پر ہوگا وھو معکم اینما کنتم وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو لیکن کوئی شخص معیت سے صرف جسم کی جسم کے ساتھ یا عرض کی عرض کے ساتھ یا عرض کی جسم کے ساتھ معیت مراد لیتا ہے حالاں کہ معیت کی یہ تینوں قسمیں قیوم میں محال ہیں تو وہ اس معیت کو سمجھ نہیں سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ معیت ثنویت کسی جسم کے ساتھ نہیں ہوتی بلکہ درحقیقت معیت کا مطلب ہے نیست نما ہست جو لوگ اس معیت سے ناواقف ہیں قیوم کو تلاش کرتے ہیں اور پھر انہیں پتہ تک نہیں چلتا، جو اشخاص اس معیت کو جانتے ہیں خود کو ڈھونڈتے ہیں اور نہیں پاتے بلکہ تمام تر حق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں لیس الوجود الا القیوم وجود تو بس قیوم ہی ہے جو شخص خود کو ڈھونڈتا ہے اور نہیں پاتا بہت بڑا فرق ہے یہ دقیق باتیں بالکلیہ اندازہ و قیاس سے بیرون ہیں لیکن بے ساختہ قلم سے نکل پڑیں، اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ قیوم کو تلاش کرنے والے ہیں یہ نسبت

اپنے ابنائے جنس کے عقل و دانش زیادہ ہوتی ہے، یہ شخص اللہ تعالیٰ سے اپنی عقل و دانائی کی کمی سے پناہ مانگتا ہے، کیوں کہ اکثر قومیں اس لئے ہلاک ہوگئیں کہ ان کی عقل اور سمجھ ناقص تھی

واکثر اهل الجنة البله واهل العليين ذوالالباب

"اکثر جنتی آبلہ ہوتے ہیں اور بلند مرتبہ پر فائز ہونے والے عقلمند و دانشور"

انسانوں کی تین قسمیں ہیں، پہلا گروہ عوام کا ہے جو تقلید پر قناعت کئے ہوئے ہیں اور اپنے کاموں میں تصرف کرنے سے ناواقف ہیں بلکہ دوسروں سے وہ سیکھتے ہیں اگرچہ ان کے مرتبہ بلند نہیں ہیں مگر یہ لوگ اہل نجات سے ہیں دوسرا طبقہ دانشوروں اور عقلمندوں کا ہے یہ اہل علیین ہیں ہر زمانے میں ان میں سے ایک یا دو شخص ہوتے ہیں زیادہ تعداد میں نہیں ہوتے تیسرا طبقہ اپنی عقل و دانش کے ذریعہ تصرف کرنے والوں کا ہے یہ لوگ ہلاک ہونے والے ہیں، اس کی مثال یوں ہے کہ ایک طبیب علاج سے پوری طرح واقف ہے اور نسخہ میں ہر قسم کا تصرف کرتا ہے، بیمار صرف اس کے نسخہ کا استعمال کرتا ہے، اور باقی اجزاء میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا لیکن نیم طبیب سے بیماروں کی روح اور ان کا جسم خطرہ میں رہتا ہے جو شخص اپنی ناقص عقل اور سمجھ کے ذریعہ تصرف اور چارہ جوئی کرتا ہے

وہ بھی نیم طبیب کے زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے اس قسم کے زیرک و ہوشیار لوگ ابلیس ہوتے ہیں کیوں کہ ایک قسم کی زیرکی و خود ذہنی و چارہ جوئی نے اس کو مخالف بنا دیا اور اس نے قیاس و برہان کی روشنی میں کہنا شروع کر دیا کہ

انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین — میں آدم سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی کے

حسن بصری رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا ابلیس زیرک و عقلمند ہے آپ نے جواب دیا بے شک وہ ایسا ہی ہے اگر وہ عقلمند و زیرک نہ ہوتا تو وہ دانشمندوں اور دانا اشخاص کو گمراہ نہ کر سکتا،

اہل بینش وارباب بصیرت کی نشانی یہ ہے کہ شیطان کو کوئی دسترس نہیں ہوتی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے

ان عبادی لیس لک علیھم سلطان — اے ابلیس! میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہ ہوگا۔

جو شخص کسل و ماندگی اور شہوت و نفس پرستی کا فریب کھا کر فرمان خداوندی کے خلاف کرے گا تو وہ شیطان کا شاگرد اور اس کا جانشین ہوگا۔

فاتخذوہ عدوا انما یدعو حزبہ لیکونوا من — تم شیطان کو دشمن ٹھہرالو وہ محض اپنی پارٹی کو اس لئے دعوت دیتا ہے

من اصحاب السعیر کہ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں۔

اے امیر! اگر آپ آخرت میں نیک بختی و خوشحالی چاہتے تو فرمان خداوندی کو اپنا رہنما بنائیے بجز فرمان حق تعالیٰ میں چارہ جوئی کرنے کے کسی (دستور باطل) میں کوئی چیز نہ تلاش کرو اور نہ (طاغوتی نظام) کی پیروی کرو اگر آپ کو اطمینان نہیں ہوتا اور آپ کے دل کو تشفی نہیں ہو رہی ہے اور حقیقت امور سے آگاہ ہونے کے لئے آپ بے قرار ہیں تو اس کا سامان میری کتاب کیمیائے سعادت سے فراہم کیجئے اور کسی ایسے اہل حق کی صحبت اختیار کیجئے جو شیطان کے چنگل سے آزاد ہے تاکہ وہ آپ کو بھی اس کے پنجہ سے رہا کرا دے۔

دوسرا خط

مفہوم قضا اور منصب قضا پر ذمہ دار شخص کو مامور کرنے کی ترغیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، مجلس عالی مراد کامرانی سے آراستہ ہو

تاکہ دنیوی اشغال و شغف کے درمیان اپنا حصہ فراموش نہ کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا تنس نصیبک من الدنیا اور تو دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کر

ہر شخص کا دنیا سے حصہ یہ ہے کہ وہ آخرت کا زاد راہ فراہم کرے کیوں کہ بارگاہِ خداوندی میں تمام مخلوق مسافر ہے دنیا ایسی منزل ہے جس کی رہگذر میں وادی خارزار ہے زاد راہ تیار نہ کئے ہوئے غافلوں کی مثال ان حاجیوں کی مانند ہے جو بغداد پہونچ کر لہو لعب میں مشغول ہو جائیں اگر کوئی شخص بے زاد و اشتر جنگل میں قدم دہرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کعبہ کی طرف جا رہا ہے تو اس کا یہ سمجھنا غلط ہے کیوں کہ وہ تو اپنی ہلاکت کا رخ کر رہا ہے، زادِ آخرت تقویٰ ہے اور تقویٰ کی اساس دو چیزوں پر ہے۔

۱۔ امر الٰہی کی تعظیم۔

۲۔ خلق خدا پر شفقت۔

اگر کوئی بادشاہ حکومت وزارت یا احتساب کا کام کسی نالائق کے حوالے کر دے تو اس میں چنداں خطرہ نہ ہوگا، بخلاف اس کے اگر عہدۂ قضا پر کسی ناشائستہ و نااہل کو مامور کر دے تو یہ خطرناک چیز ہوگی کیوں کہ حکومت یا وزارت دنیوی چیزیں ہیں اگر یہ دنیا داروں کے سپرد کی جائیں تو سزاوار ہوگا لیکن عہدہ قضا، مقام نبوت اور منصب مصطفےٰ

صلی اللہ علیہ وسلم ہے ولیحکم بما انزل اللہ اس میں اللہ کے اوامر و ارشادات کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیئے جس شخص کے دل میں آنحضرت صلعم کی قدر و منزلت ہو گی وہ آپ کے منصب پر صرف اسی شخص کو فائز کرے گا جس سے قیامت کے دن پشیمانی نہ اٹھانی پڑے اگر اس اصول کو پیش نظر نہ رکھا تو امر الہٰی کی تعظیم بھی نظروں سے اوجھل ہو گئی اس لیئے کہ حکم خداوندی کی قدر و منزلت منصب نبوت کی تعظیم کے مترادف ہے اس طرح اس سے خلق خدا پر شفقت کا جذبہ بھی ناپید ہو گیا کیوں کہ اس نے جائداد آبرو اور عزت اور جان کو خطرہ نشانہ بنا دیا اگر کوئی شخص اس قسم کے افعال کا مرتکب ہو تو کیا اسے معلوم ہے کہ آخرت کے لیئے اس نے کیا چھوڑا ہے؟

عہدۂ قضاء کا ایک اہم ترین کام یتیموں کا مال ہے، اگر قاضی تقویٰ شعار نہ ہو گا تو یتیموں کے مال پر جاگیرانہ تسلط ہو جائیگا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا۔	بلاشک جو ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں سوا اس کے نہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں اور وہ عنقریب دہکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔

جب کوئی شخص اس وعید کی پرواہ نہیں کرتا تو اسے دوسرے کاموں کے متعلق بھی کوئی اندیشہ و خوف نہ ہوگا۔

جب عہدۂ قضا کسی متدین اور دیانت دار شخص کے حوالے کیا جاتا ہے تو وہ مسلمانوں کی ملکیت ان کی جان و آبرو کی کڑی حفاظت کرتا ہے آج کل فلاں شخص حسنِ سیرت و دیانت داری میں بے نظیر ہے، اس کی صلاحیت و قابلیت اس کام کے لئے وزیر اعظم پر پوشیدہ نہیں ہے، کیوں کہ جہان کا گوشہ گوشہ اس کی بدولت زندہ و پائندہ ہے بہر حال جناب کی جو رائے ہوگی درست ہوگی بھلائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ والسلام

تیسرا خط

اس خط میں مسکرات (نشہ آور اشیاء) کے رواج و استعمال پر بلیغ پیرایہ میں تنبیہ کی گئی اور ان سے باز رکھا گیا ہے رعایا کے ساتھ عدل و انصاف اور باشندگان طوس سے محصولات کی تخفیف کی ترغیب دلائی گئی اور اپنے باپ نظام الملک کے نقش قدم پر چلنے پر آمادہ کیا گیا ہے سرنامہ پر لکھا ہوا تھا نفع بخش شربت تلخ بھیج گیا ہے تاکہ گوشۂ تنہائی میں غور کرے اور گوشِ حق نیوش سے سننے کی منفعت

آمیز شربت تلخ حقیقی دوستوں سے ملتا ہے، اور مصرت آلود شربت شیریں ظاہری دوستوں اور حقیقی دشمنوں کے ہاتھ سے دیا جاتا ہے"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا و اتقیاء امتی براء من التکلف ۔ میں اور میری امت کے پرہیزگار لوگ تکلف سے دور ہیں۔

اسی طرح القاب و خطابات کا مظاہرہ کرنا ایک قسم کا تکلف و رسم ہے، جو بات دیانت دارانہ خیال سے نکلتی ہے اسے رسم و تکلف سے دور ہی رہنا چاہیئے جو منصب کمال درجہ تک پہونچ چکا ہے وہ القاب کے پیوند سے بے نیاز ہے خواہ یہ القاب اس کے لئے رسم و عادات کے طور پر ہی کیوں نہ استعمال کئے جائیں جب جمال و دلفریبی انتہائی حد تک پہونچ جاتی ہے تو بناؤ سنگار اور آرائش و زیبائش بیکار ہو جاتی ہے ۔

حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را

اگر کوئی شخص "خواجہ امام شافعی" یا خواجہ امام ابو حنیفہ" کہتا ہے درحقیقت یہ ایک قسم کی نکتہ چینی ہوگی گویا وہ روائے کمال میں اپنی طرف سے پیوند لگا رہا ہے ۔ والزیادۃ علی الکمال

نقصان" کمال پر کسی قسم کا اضافہ موجب نقصان ہے" آپ کا معاملہ بھی دنیوی سرداری و امارت میں اس درجہ تک پہونچ گیا ہے کہ آپ کو بلا خطاب و لقب یہ کہنا کہ آپ ایسے اور آپ ویسے ہیں کسی قسم کے نقصان کا باعث نہ ہوگا اب میں دینی کاموں کی سرداری کی طرف رجوع کرتا ہوں جو دنیوی سرداری سے بہتر و برتر ہونی چاہیے
آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کی عمر کا یہ آخری زمانہ ہے دین کے کام پس پشت ڈال دیئے گئے ہیں۔

اقترب للناس حسابهم	انسانوں کے لئے ان کے حساب
وهم في غفلة معرضون	کا وقت قریب آپہونچا حالانکہ وہ ابھی

غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔

ہر شخص کو اپنی فرصت کے وقت ایک مضبوط قلعہ کی ضرورت ہوتی ہے ایک گروہ نے گھوڑوں، فوج اور شمشیر و تیر کے ذریعہ اپنا ملک مضبوط و مستحکم بنالیا ایک جماعت نے اپنی تمام دولت و ثروت سے مضبوط دیواروں اور آہنی دروازوں سے اپنا ملک محفوظ کیا، اور ایک طبقہ نے درویشوں اور مسلمانوں کی دعاؤں کے وسیلہ سے اپنی حفاظتی تدابیر اختیار کیں اللہ تعالیٰ نے موخر الذکر کو دونوں اول الذکر فریق کی غلطی پر برہان ٹھہرایا تاکہ انہیں اس حقیقت سے آگاہی ہوجائے کہ گھوڑے اور فوج بلائے آسمانی کو دفع نہیں کرسکتی، عمید طوس وغیرہ

کی حالت سے دوسرے فریق کی خطا کو نمودار کیا تاکہ اسے یہ معلوم ہو جائے کہ مضبوط دیواریں آہنی دروازے اور مال و دولت کے ذخیرے آفات و مصائب کو دور نہیں کر سکتے بلکہ الٹے موجب نقصان و بلا ہو جاتے ہیں، یہی مفہوم قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

جمع مالا وعددہ یحسب ان مالہ اخلدہ کلا لینبذن فی الحطمۃ وما ادراک ما الحطمۃ نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ انہا علیہم موصدۃ فی عمد ممددۃ	مال جمع کرتا اور اسے گنتا رہتا ہے گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا، ایسا نہیں ہو سکتا وہ ضرور بھسم کرنے والی میں ڈال دیا جائے گا اور تم کیا سمجھے کہ بھسم کرنے والی کیا ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی آگ

ہے جو دلوں تک جا چڑھے گی پھر وہ بڑے لمبے لمبے شہتیروں کی صورت میں ان کو ہر طرف سے گھیرے گی۔

دوسری جگہ فرمایا گیا۔

ما اغنی عنی مالیہ ہلک عنی سلطانیہ	میرا مال مجھے کام نہ آیا میری حکومت مجھ سے ضائع گئی اسی

طرح ایک اور جگہ ارشاد کیا گیا ہے۔

وما یغنی عنہ مالہ اذا	یعنی اور جب وہ مرے گا تو اس

کا مال اس کے کچھ کام نہ آئیگا۔

عمید خراسان کے واقعہ کو تیسرے گروہ کی راست روی پر دلیل ٹھہرایا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ درویش کی روٹی کا ٹکڑا اور سابن کا پیالہ وہ کام کرتا ہے جو لاکھوں دینار اور لاکھوں سوار بھی نہیں کر سکتے، درویش کا ہائے وہو تیر و تلوار کو باطل کر دیتا ہے کہ فوج گریہ کے روبرو اس حقیقت کو روشن کر دیتا ہے کہ فوج گریہ نیم شبی سے بنانی چاہیئے نہ کہ گھوڑوں کے ٹاپ کی آوازوں سے یہی اعجاز، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر برہان ہے کہ آپ نے فرمایا۔

الدعاء یرد البلاء — دعا مصیبت کو لوٹا دیتی ہے

نیز آپ کا ارشاد ہے۔

الدعاء والبلاء یتعالجان — دعا اور بلاء باہمی کشمکش ہیں۔

فرزند نجیب وہ ہے جو اپنی سلطنت اپنے نوکر کے حوالے کردے آپ کے شہید باپ نے جب سنا کہ شاہ کرمان صدقہ و خیرات کرتا ہے تو ان کا بدن کا رونگٹا کھڑا ہو گیا اس لئے نہیں کہ خیرات سے وہ نفرت کرتے تھے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ مشرق و مغرب میں کوئی ایسا شخص نہ ہونا چاہئے جو خیرات اور جود و سخا میں مجھ سے سبقت لے جاتا ہو۔

اسی میں آگے بڑھیں آگے بڑھنے والے

حسد سوائے دینی امور کے باقی اور تمام چیزوں میں حرام ہے بلکہ امور دین میں حسد واجب ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

لاحسد الا فی اثنین رجل اتاہ اللہ مالا فھو ینفقہ فی سبیل اللہ ورجل اتاہ اللہ علما فھو یعمل ویدعو الخلق الیہ ؛

حسد صرف دو شخصوں میں ہے' ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا اور وہ اس مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا ہے ایک وہ شخص جسے اللہ نے علم دیا اور وہ اس پر عمل کرتا ہے اور مخلوق الثانی کو اس کی دعوت دیتا ہے۔

آپ کو اس حقیقت سے واقف ہونا چاہئے کہ یہ شہر قحط و ظلم سے ویران تھا اور جب تک آپ اسفرائن اور دامغان کی خبرگیری کرتے تھے تمام سہمے ہوئے اور خوف زدہ تھے کسان ڈر کے مارے اناج بیچتے تھے ظالم لوگ مظلوموں سے معافی مانگتے تھے اب جب کہ آپ یہاں پہونچے تو تمام خوف وہراس جاتا رہا کسانوں نے اناج دکانوں اور گھروں میں چوری اور لوٹ مار نے رات کے وقت چند دکانوں اور گھروں میں چوری اور لوٹ مار کرنے کا ارادہ کیا، اس کا الزام اپنے عمید کے سر عائد کردیا چند لوگ بے گناہ زاہد و مصلح پر تہمت لگانے اور ان کو زدوکوب کرنے

لگے۔ اگر کوئی شخص اس شہر کی کارگزاریوں کو موجودہ حکایات واقعات کے خلاف آپ کے سامنے یا کسی اور کے روبرو بیان کرتا ہے تو وہ آپ کے دین کا دشمن ہے رعایا کی خبرگیری کیجئے بلکہ خود اپنے کام کا جائزہ لیجئے اپنے اوپر رحم کھائیے مخلوق کو رائگاں نہ کیجئے درویشوں کے ہائے وہو نیم شبی سے ڈرتے رہیئے اگر یہ کام آپ کی جدوجہد سے سدھر اور سنور جائے تو بہتر ورنہ آپ اس گناہ و ماتم میں بیٹھ جائیے کہ خدائے تعالیٰ فرمائے میں نے بھلائی پیدا کی اور بھلائی کا ذریعہ بھی پیدا کیا اس شخص کو مژدہ ہو جس کو میں نے بھلائی کے لئے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں بھلائی کو عام کر دیا اس آدمی کے لئے افسوس و تباہی ہے جسے میں نے برائی کے لئے پیدا کیا اور برائی کو اس کے ہاتھوں بکھیر دیا اس قسم کی مصیبت کا علاج آنکھوں کے آنسو ہیں نہ انگور کا پانی تمام برے دوست احباب اپنی اس مصیبت سے بے خبر ہیں اور لہو لعب اور نشاط و سرور میں مشغول آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ باشندگان طوس کی دعائے نیک و بد آزمودہ و تجرب ہے میں نے عمید کو اس قسم کی پند و نصیحت بہت کی اس نے قبول نہ کیا یہاں تک کہ وہ آج تمام کے لئے عبرت و بصیرت کا سامان بن گیا۔

وما ظالم الا سیبلی بظالم

ہر ظالم کی گردن پر دوسرا ظالم سوار ہوا کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ ان

دونوں سے انتقام لیتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی مال و دولت کا مالک نہیں ہے۔ جو شخص مال اور جائیداد کے عشق میں اپنا دل جلاتا ہے لامحالہ اس کی جدائی میں جلتا رہتا ہے، مگر اس سوزش کے تین درجے ہیں، پہلا درجہ سعادت مندی کا ہے وہ یہ ہے کہ سعادت مند مال اور جائیداد اپنی اختیار سے چھوڑ دیتا ہے مظلوموں کو دے دیتا ہے اور غریبوں اور مسکینوں کو صدقہ و خیرات کر دیتا ہے مال و جائیداد کی یہ جدائی اگرچہ اس کے اختیار سے ہوتی ہے اس کا دل اس سے جلتا ہے لیکن یہ سوز اس کے لئے ساز گار بن جاتا ہے، یہ منھم سابق بالخیرات (یعنی ان میں سے وہ ہیں جو خیرات و صدقہ میں پیش قدمی کرتے ہیں) کے زمرہ میں سے ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو مال و جائیداد پر مسلط کیا جاتا ہے تو وہ مال و دولت کو زبردستی حاصل کرتا ہے تاکہ عذاب و رسوائی کو دور کرے اور ضرورت و حاجت پوری کرکے اپنے گناہوں کے داغ دھوئے یہ و منھم مقتصد (یعنی ایسے ہیں جو میانہ روی اور اعتدال پسند ہیں) کے طبقہ میں شمار ہوتا ہے۔

تیسرا درجہ بدبختوں کا ہے کہ دنیا میں مال و دولت کو اپنے سے نہ تو زبردستی جدا کرتے ہیں اور نہ اپنی اختیار و مرضی سے علیحدہ، آخرکار ان کا معاملہ ملک الموت کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے العیاذ باللہ

یہ بہت ہی برا درجہ ہے اور سزا بے سخت ہے۔ ولعذاب الآخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون اور یقیناً آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے کاش! وہ جانتے ہوتے، ایسا شخص فمنھم ظالم لنفسہ (بعض ان میں سے اپنے نفس پر زیادتی کرنے والوں میں سے ہیں) کے گروہ میں داخل ہے۔ ومن عجلت عقوبتہ فی الدنیا فھو سعید جس شخص کو دنیا ہی میں جلد سزا مل جائے تو وہ نیک بخت ہے آپ کوشش کیجئے کہ صدقہ و خیرات میں سبقت کرنے والوں کے زمرہ میں سے ہو جائیں یہ منفعت آمیز تلخ باتیں اس شخص سے سنئے جس نے اپنی آرزوئیں اور خواہشات تمام سلاطین سے منقطع کر لی ہیں تب کہیں اس قابل ہوا ہے کہ اس قسم کی نصیحتیں کر سکے آپ ان نصیحتوں کی قدر و قیمت پہچانیئے آپ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ اگر کوئی شخص میرے ان حقایق کے خلاف کوئی بیان دے تو اس کی حرص و آز اس کے اور حق گوئی کے درمیان حجاب ہے آپ کو خدائے برحق کی آپ کے شہید باپ کی قسم کہ آپ آج رات جب کہ تمام مخلوق خداوندی خواب راحت میں سرشار ہو، بستر سے اٹھئے صاف کپڑے پہنئے وضو کیجئے پاکیزہ و تنہائی کا مقام تلاش کرکے دو رکعت نماز پڑھئے اور پیشانی زمین پر رکھئے اور سلام پھیرنے کے بعد خدائے تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کیجئے کہ وہ آپ کے لئے راہ سعادت کھول دے اور سیارہ

ہیں ماتھا ٹیک کر یہ کہئے "اے آسمان و زمین اور دنیا جہان کے مالک کہ تیری سلطنت کو کبھی زوال نہیں تو ایسے بادشاہ پر ترس کھا جس کا ملک رو بزوال ہوگیا ہے اسے اس خواب غفلت سے اور اس کو اپنی رعایا کی اصلاح و بہبود کی توفیق عطا فرما اس دعا اور گریہ وزاری کے بعد ایک گھنٹہ اس دور قحط و ظلم اور عہد استبداد میں رعایا کے امور میں سوچ بچار کیجئے پھر آپ دیکھیں گے کہ بہتری اور سود و بہبود کے دروازے کس طرح کھلتے اور غیبی امداد کس طرح اپنا جلوہ دکھاتی ہے"۔ والسلام۔

چوتھا خط

فخر الملک جب عہدۂ وزارت پر فائز ہوئے تو امام غزالی نے یہ خط بطور تہنیت لکھا اس میں تمہیداً ملک کے فرائض و واجبات کی نگہداشت اور رعایا کی اصلاح اور انصاف و عدالت کو دل نشین پیرایہ میں بیان کرنے کے بعد وزیر کی خدمت میں امام شہید ابراہیم مبارک کی دوبارہ علمی خدمات حاصل کرنے اور ان کو

اپنے زیر سایہ عاطفت لینے کی سفارش کرتے ہیں بقول امام غزالی کے یہ بزرگ ایک عالم باعمل تھے مسلمانوں کے خیر خواہ تھے جرجان کا گوشہ گوشہ ان کے علمی و روحانی فیوض و برکات اور زہد و تقویٰ کے اثرات سے زندہ و تابندہ تھا، ان کے وعظ و تذکیر اور تدریس کا جا بجا چرچا تھا یہ عالم امام غزالیؒ کی صحبت میں تقریباً بیس سال رہے تھے، امام صاحب خود ان کا تعارف اس طرح فرماتے ہیں کہ طوس نیشاپور بغداد، شام اور حجاز کے سفر میں تقریباً ہزار طالبان علم نے مجھ سے علمی استفادہ کیا ہے لیکن علم و صداقت اور زہد و تقویٰ میں ابراہیم مبارک کی مثال میں نے نہیں دیکھی ہے جس شہر میں اس قسم کا ایک بھی عالم ہو وہ شہر آباد و شاد ہو جائے گا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب عالی کا دربار سعادت و سیادت۔ آخر دی سے آراستہ اور آپ کا عزیز دل انوار الٰہی سے منور و درخشاں رہے ایسا نور و ضیاء جو سینوں کی فضا کو وسیع کرنے کا سبب ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فمن یرد اللہ ان یھدیہ — جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا

یشرح صدرہ للاسلام فمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علیٰ نورہ من ربہ (زمر ع) — چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے کیا وہ شخص جسکے سینے کو اللہ نے اسلام کیلئے کھولدیا ہو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نور ہدایت پر ہے (یا کوئی اور؟)

جب یہ نور و ضیاء کسی کے اندر پیدا ہوتا ہے تو اس کی علامت یہ ہوتی کہ وہ جب دنیا پر نظر ڈالتا ہے تو تمام انسان دنیوی مظاہر کو آراستہ دیکھتے ہیں لیکن وہ دنیا کے باطن کو آلودہ دیکھتا ہے جب عمر رواں پر نگاہ ڈالتا ہے تو تمام خلق اس کو شاداب نظر آتے ہیں اور مسرت و راحت کا ذریعہ سمجھتے ہیں لیکن یہ اس میں آخرت کی حسرت اور اس کے خطرہ کا مشاہدہ کرتا ہے، جب وہ موت پر نظر دوڑاتا ہے تو تمام نوع انسانی اس کو محض وعدہ فردا شمار کرتے ہیں لیکن یہ اس کو وعدہ امروز و نقد وقت سمجھتا ہے۔

ویعلم ان ماھو آتٍ قریب — اور وہ جانتا ہے کہ جو چیز آنے والی ہے وہ بہت قریب ہے۔

وان الموت اقرب الیٰ کل احد من شراک نعلہ — اور تمہاری ہر ایک کی موت اس کے جوتے کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے

جب وہ اپنے ساتھیوں اور ہم عمروں پر نگاہ دوڑاتا ہے تو ان تمام کی نگاہوں کے سامنے قسم قسم کی آرزوئیں طرح طرح کی

تمنائیں اور گوناگوں امیدیں ہوتی ہیں مگر اس مطمع نظر اور پیش بہت
کے انجام کے خوف ناک تصور کی وجہ سے مختلف ودد انگیز اور
پریشان کن خیالات ہوتے ہیں اور یہ اپنے آپ سے کہتا ہے۔

افرأیت ان متعنا ھم سنین ثم جاءھم ما کانوا یوعدون ما اغنی عنھم ما کانوا یمتعون

کیا تم نے غور کیا کہ اگر ہم ان کو کچھ برسوں تک فائدہ پہونچائیں پھر بھی ان پر وہ آئے گا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے (اور) جن چیزوں سے یہ نفع اٹھا چکے ہیں وہ ان کو کچھ فائدہ نہ دینگے۔

اگر کارکنان قضا و قدر نے وزیر اعظم کو یہ نور و ضیاء فراوان عطا کیا ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ وزیر اعظم اپنے دل کو لوح بنائیں، اور وزیروں کی روئدادوں اور ان کے انجام کار کو جو اپنی زندگی میں یاد ہیں اپنے اس لوح دل پر نقش کرلیں اور نظام الملک تاج الملک، اور فخر الملک اس کا مطالعہ کریں۔

اولم یروا کما اھلکنا قبلھم من القرون یمشون فی مساکنھم ان فی ذلک لایات لاولی النھی

(ترجمہ) کیا ان کو اس بات نے کچھ بھی نہ سمجھایا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے ہی زمانہ والوں کو جن کے گھروں میں یہ چلتے پھرتے ہیں ہلاک کردیا بیشک سمجھداروں کے لئے اس میں نشانیاں موجود ہیں۔" (مراسلات ۲)

اولم نھلک الاولین ثم نتبعھم کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کیا؟

الآخرین — پھر پچھلوں کو انکے پیچھے پیچھے بھیجتے رہتے ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"لوگو! موت گویا مقررہ ہے۔ اس کا حق بھی واجبات ہیں سے ہے جو لوگ موتی کے جنازوں کے پیچھے جا رہے ہیں ان میں سے بہت کم ہمارے طرف لوٹیں گے۔ ہم ان کی میراث کھاتے ہیں گویا کہ ہم ان کے بعد ہمیشہ رہنے والے ہیں! ہم نے ہر ایک ناصح کی نصیحت کو بھلا دیا ہے اور ہم نے ہر صالح پر بہتان تراشی ہے۔"

تمام وزراء اپنے ایک دوسرے کے انجام کار سے غافل تھے اور جو انجام ان کے ملک کا ہونا تھا انہوں نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ لیا لیکن اتنا نہ جان سکے کہ جو کام کمزور ہوتا ہے وہ بھی تباہ ہو جاتا ہے اور اس کا کرنے والا بھی۔

مثل الذین اتخذوا من	(ترجمہ) ان لوگوں کی مثال جنہوں
دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت	نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز
اتخذت بیتا وان اوھن	بنا لئے ہیں مکڑی کی سی مثال ہے
البیوت لبیت العنکبوت	جس نے ایک گھر بنایا حالانکہ
لو کانوا یعلمون	تو رہے سے بودا گھر مکڑی کا ہے

کاش! وہ اس بات کو جانتے ہوتے۔

اللہ تعالیٰ وزیر اعظم کو اس نور و ضیاء سے مالا مال کرے تاکہ

یہ اپنے کاموں کی گہرائی اور ان کی حقیقت تک پہونچ جائیں اور ظاہری اعمال تک ہی اکتفا نہ کریں اس نور کا مبدا اور سرچشمہ دو خصلتیں ہیں ایک عدل اور دوسری عدالت، عدالت سے مراد یہ ہے کہ بندگیِ حق میں آپ سے اس طرح رہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ اس کی خدمت میں اس کے بندے سرشار رہیں عدل سے مراد یہ ہے کہ آپ رعایا کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں جیسا کہ اگر آپ رعیت ہوں اور دوسرا بادشاہ اور آپ اس سے یہ خواہش رکھیں کہ آپ کے ساتھ یہی سلوک کرے، آپ ان دو کلموں (عدل و عدالت) کو اپنا قبلۂ مقصود بنالیں مخلوق و خالق کا جو بھی معاملہ آپ کے سامنے پیش آئے آپ اس میں انہی دو اصولوں کی طرف رجوع کریں، عادل بادشاہ انہی دو مختصر کلموں کی دعوت دیتا ہے وہ کبھی اس کو گوارا نہیں کرتا کہ اس کے ملک کی زبوں حالی اور خرابی کا حال اس کی امن پسند نظر سے پوشیدہ رہے مبادا قیامت کے دن اس تساہل اور غفلت شعاری میں وہ ماخوذ ہو جائے۔

ہر چند کہ میں نے میل جول اور خط و کتابت کا دامن سمیٹ لیا ہے اور بقدر ضرورت اس کو پھیلانے کا قصد نہیں کرتا ہوں لیکن یہ چند کلمات آپ کے عہدۂ وزارت پر فائز ہونے کی مبارکباد ہیں اور اس نعمت سے اہل دین کی آسائش کے وابستہ

ہونے کی وجہ سے تحریر کر دیئے گئے، چونکہ دیگر چیزوں سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے، اس لئے یہ مبارک بیاض تحائف اور نذرانوں سے خالی نہیں، فریضۂ دعاء کی ادائیگی کے بعد علماء کا تحفہ و نذرانہ محض بندوں کی اصلاح و بہبود کے امور کی طرف بادشاہوں اور وزیروں کو رہنمائی کرنا ہے۔

شہر جرجان ایک مدت سے ایسے باعمل عالم سے خالی ہو گیا تھا جس کا وجود شایان اقتدار ہے، اب جبکہ مسلمانوں کے خیر خواہ ابراہیم مبارک اپنے وطن سے واپس ہوئے ہیں جرجان کا گوشہ گوشہ ان کے علم و عرفان اور زہد و تقویٰ کے فیوض و برکات سے زندہ و پایندہ ہو گیا ہے ان کے وعظ و تذکیر اور تدریس کے اثرات دور دور پھیل گئے اور مسلمانوں کے اندر ایک نئی زندگی اور سرگرمی و نشاط کی روح پھونک دی، صاحب موصوف طوس نیشاپور، بغداد، شام اور حجاز کے سفر میں تقریباً بیس سال میری صحبت میں رہ چکے ہیں اور اس اثناء میں ہزار سے زیادہ طالبان علم میری خدمت میں باریاب ہوئے ہیں۔ متبحر علمی صداقت شعاری، اخلاص و وفا اور زہد و تقویٰ میں ان کی مثال میں نے بہت کم دیکھی ہے جس شہر میں ان کے جیسا کوئی عالم ہو تو وہ شہر آباد اور بارونق ہو جائے، صاحب موصوف کے دینی دشمن پیدا ہو گئے ہیں جو ممکن ہے کہ ساز باز مکر و حیلہ اور ریشہ دوانی سے ان کے

رسوخ اور ان کے اعتبار کو کم کرنے کی کوشش کریں وزیر اعظم کا دینی فریضہ یہ ہے کہ وہ ان کو اپنے زیر سایۂ عاطفت و عنایت قبول فرمائیں ان کی دعا خیر کو ذخیرہ قیامت گردانیں۔ جس قدر بھی ہوسکے ان کی تربیت اور دیکھ بھال پر توجہ کو مبذول کریں اللہ تعالیٰ آپ کے آغاز و انجام کار کو دینی و آخروی سعادت سے آراستہ کرے اور دربار عالی کے حاشیہ نشینوں کے ذریعہ سے اپنے فضل و احسان کی بدولت آفات و حادثات زمانہ کو پھیر دے والسلام۔

پانچواں خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے چند خاص بندے ہیں جن کو اس نے اپنی نعمتوں سے بہرہ ور کیا ہے تاکہ وہ ان نعمتوں کو بندوں کے مصالح و منافع میں خرچ کریں، اگر انہوں نے اس خدمت کو حسن و خوبی انجام دیا تو وہ اللہ کے بندے ہیں ان کے لئے خوش خبری ہے اور ان کا ٹھکانا بہتر ہوگا اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں اور بدبختوں کو

جو نعمتوں سے مالا مال کیا اس سے اس کا مقصود ان کو ڈھیل دینا ہے جیسا کہ فرمایا۔

سنستدرجھم من حیث لا یعلمون واملی لھم ان کیدی متین۔	ہم بتدریج ان کو اس حیثیت سے گرفتار کریں گے کہ وہ (کچھ) نہ سمجھیں گے اور میں ان کو مہلت دوں گا بیشک میری تدبیر زبردست ہے۔

جو بھی اہل نعمت سے ہوگا اس کی دو حالتیں ہوں گی۔

انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرا واما کفورا	ہم نے انسانوں کو دو راستے بتا دیئے یا تو وہ شکر گذار ہو یا ناشکرا۔

خدائے تعالیٰ کی نعمت اس کی عطا کردہ مملکت اور دنیا و سطوت میں اس کی تائید و نصرت کا شکریہ یہ ہے کہ عدل و انصاف کا بول بالا کیا جائے۔ دنیا میں کلمۃ الحق کو سربلند، ظلم و استبداد کا ازالہ اور رعایا میں شفقت و رحمت اور جود و کرم کا مظاہرہ کیا جائے اس حقیقت کا اظہار اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے۔

یاداؤد انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوٰی فیضلک عن سبیل اللہ (ص ع)	اے داؤد ہم نے تم کو اس زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے پس تم لوگوں کے مابین ٹھیک فیصلہ کیا کرو اور اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ تمکو راہ خدا سے بھٹکا دے گا

جس شخص کے حق میں دنیوی نعمت سے مقصود اس کی بدبختی ہو اس کی علامت یہ ہے کہ جیسے جیسے وہ اپنی سربلندی جاہ ورفعت دولت و نصرت روز افزوں ترقی پر دیکھتا جاتا ہے ویسے ویسے مخلوق پر اس کا ظلم واستبداد اور اس کی سرکشی اور بے رحمی بڑھتی جاتی ہے۔ اسی پہلو کو قرآن مجید نے اس طرح واضح کیا ہے۔

الم نهلك الاولين ثم	کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کیا پھر
نتبعهم الاخرين كذالك	پچھلوں کو ان کے پیچھے پیچھے رہتے ہیں
نفعل بالمجرمين ؕ	ہم گناہگاروں کے ساتھ ایسا
(مرسلات ۶)	ہی (معاملہ) کیا کرتے ہیں۔

تغافل کیشی اور کفران نعمت کے عناصر اس کے دل ودماغ پر اس حد تک مسلط ہو جائیں گے کہ وہ اپنے آپ کہے گا۔

وما اظن ان تبيد هذه	مجھے خیال نہیں آتا کہ یہ باغ کبھی
ابداً	خراب بھی ہوگا۔

جس شخص کو دیوی نعمت اس لئے دی جاتی ہے کہ اس سے مقصود اس کی سعادت ونیک بختی ہو تو ایسے شخص کی علامت یہ ہے کہ خدا کی طرف سے اس کو مخلوق خدا کے ساتھ احسان وسلوک کرنے کی توفیق مرحمت ہوتی ہے۔ اس کو کمال عقل عطا کئے دی جاتی ہے ایفاء عہد اور امانت ودیانت کے جواہر سے اس قدر آراستہ

کیا جاتا ہے کہ جہاں کہیں فاسد تمنائیں اور ظاہر فریب امیدیں اور خام آرزوئیں پائی جائیں اور ظلم و استبداد کا دور دورہ ہو اور حادثات روزگار کا غبار روئے زمین پر چھایا یا ہوا ہو تو وہاں یہ شخص ان تمام باطل عناصر کو اپنی رحمدلی اپنی شفقت اور اپنے دست انصاف کے ذریعہ بیخ دین سے اکھاڑ پھینکتا اور بڑے رسوم و بدعات کے شائبوں اور کتنا فتنوں کو دین و دنیا کے گوشوں سے دور کرتا ہے جیسے جیسے اس کے مدارج میں ترقی اور اس کے مرتبہ و مقام میں برابر بلندی ہوتی جاتی ہے ویسے ویسے وہ مخلوق خدا پر رحمدل اور بنی نوع انسان پر شفیق ہوتا جاتا ہے، اور اس درجہ پہ پہنچ جاتا ہے کہ اس دنیا کی عزت اس عالم کی سعادت سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ اس پر مسلسل لطف و کرم اور جود و عطا کی بارش ہوتی ہے یہ مرتبہ و انعام آں گرامی کی ذات میں جمع ہے والسلام

وزیروں کے خطوط حجۃ الاسلام کے بارے میں

مقدمہ میں جہاں ہم نے امام صاحب کی سیرت کے چند اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، بیان کیا تھا کہ آپ مدرسہ نظامیہ کی تدریسی زندگی سے اکتا گئے تھے آپ کا دل مختلف انقلابات و مشاہدات کی جولان گاہ بن گیا تھا، آپ نے حج کے بہانے مدرسہ نظامیہ کو خیرباد کہدیا اور اپنے بھائی امام احمد غزالی کو اپنا جانشین بنا کر صوفیانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ آپ کے بغداد سے چلے جانے کے بعد مدرسہ کی چہل پہل جاتی رہی، شہر بے رونق اور سونا بن گیا سلاطین و وزراء نے امام صاحب کو دوبارہ مدرسہ نظامیہ میں تعلیم دینے کے لئے خطوط لکھے ذیل میں ہم ان کے خطوط درج کریں گے۔ اور آخر میں امام صاحب کا وہ خط پیش کریں گے جس کو آپ نے صدر الوزراء (وزیر اعظم) احمد بن نظام الملک وزیر عراق کے جواب میں لکھا تھا۔

وزیر اعظم نے حجۃ الاسلام کے آخری عہد میں آپ کے نام فرمان وزیر خراسان صدر الدین محمد بن فخر الملک کے ذریعہ روانہ کیا تھا جس میں امام صاحب کے متعلق انتہائی اجلال و احترام اور اعزاز و اکرام ملحوظ رکھا تھا اور وزیر سے فرمائش کی تھی کہ وہ اس کے ساتھ ایک اور فرمان مدرسہ نظامیہ بغداد کے عہدۂ تدریس پر فائز ہونے سے متعلق ہو منسلک کر کے حجۃ الاسلام کی خدمت میں روانہ کرلے تاکہ آپ تقدس مآب امام نبوی مستظہری کے مقصد کے موافق جلد از جلد اس دینی اہم خدمت کو انجام دیں۔ وزیر اعظم نے بھی اسی مقصد کی ترغیب دلائی تھی اور حجۃ الاسلام کو اس مجد عظیم اور شرف بلند سے کہ یہ عہدۂ تدریس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت ہے ممتاز و مخصوص گردانا تھا جب یہ فرامین گوناگوں اجلال و اکرام کے ساتھ مزین آپ کے مناقب و اوصاف سے لبریز اور سلاطین و وزراء کے دستخطوں کے ساتھ آراستہ ہو کر حجۃ الاسلام کے پاس پہنچے جن میں تذکرہ کیا گیا تھا کہ ائمہ عراق و بغداد آپ کے انتظار میں چشم براہ ہیں اور لشکر عراق اور امام مقدس نبوی مستظہری آپ کے قدوم میمنت لزوم کے ہر گھڑی منتظر ہیں، تو حجۃ الاسلام نے کہا کہ یہ وقت ہمارے سفر عراق کا ہے نہ کہ

سفرِ عراق کا پھر خط کا جواب لکھا اور حکم کی تعمیل کے مواقع پیش کرنے کی معذرت چاہی۔

وزیرِ عراق کا خط وزیرِ خراسان کے نام

خواجۂ اجل سید صدر الدین نظام الاسلام ظہیر الدولۃ نصیر الملۃ بہار الامۃ قوام الملک شمس الوزراء کی عمر عزت و نعمت سعادت و رفعت اور رضاء الٰہی میں دراز ہو۔

آنجناب کو معلوم ہے کہ بہترین توفیق اور عظیم ترین موقعہ جو ہاتھ آتا ہے، وہ سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار کو تازہ کرنا اور ان کے باقیات صالحات کا احیاء اور ان کے ان اصولوں پر کاربند ہونا ہے جن میں انھوں نے دین کے احکام و قواعد اور اصلاح و فلاح کے لوازمات پیش کئے ہیں جو تمام مسلمانوں کے سود و بہبود پر مشتمل ہیں بالخصوص یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس سے دین کے قوانین و اصول، محکمۂ اسلامی کے ارکان کا استوار اور علم شریعت تر و تازہ ہو جائے گا، جس کی غرض و غایت دونوں جہان کا حاصل اور سرمایۂ حیات دنیا و عقبےٰ ہے۔

یہ امر مخفی نہیں کہ بغداد میں مدرسہ نظامیہ کی بڑی شان

و منزلت ہے۔ کیوں کہ بادشاہ شہید قدس اللہ روحہ نے اپنے دارالخلافہ اور اپنی مقدس رہنمائی میں اس کی بنیاد رکھی ہے، یہ ایسا بابرکت مقام ہے جو علم دین کا معدن فضل و کمال کا سرچشمہ تعلیم و تدریس کا مرکز ائمہ و علما کا ماوی، طالبان فن و تشنگان علم کا ملجا و مرجع ہے، یوں تو بادشاہ شہید کے آثار دنیا میں پھیلے پڑے ہیں لیکن مدرسہ نظامیہ سے بڑھ کر کوئی شعار و اثر ایسا نہیں جو اس کی برابری کر سکے اس لئے کہ یہ مدرسہ خلیفۂ بغداد مستظہر باللہ کے آستانۂ خلافت کے پہلو میں واقع ہے اور رہتا ہے یہ تا بندہ و پائندہ یادگار خیر یہاں باقی رہے گی ہمارا اور تمام اعیان حکومت کا فریضہ ہے کہ اس مدرسہ کے مجد و شرف کی بنیادوں کی تاسیس میں انتہائی توجہ کریں اور مدرسہ کے نظام اور اس کے اصول کار کی حفاظت و نگہداشت بجد اتم کریں صدر الدین کے ذمہ یہ کام دیا گیا ہے کہ بہر حال اس بقعۂ مقدسہ سے وابستہ رہے اور بہر قیمت اپنے اخلاص و وفا کا دم بھرے کیوں کہ یہ خطہ اس خاندان کا چشم و چراغ ہے۔

یہ واضح رہے کہ مدرسہ میں سب سے پہلے ایک ایسے استاد کی ضرورت ہے جو صاحب علم و فضل ہو جس کے اندر اضافۂ معلومات اور افادہ علم کے اسباب و آلات کی استعداد پائی جائے بانی

مدرسہ کے لئے دوسرے اسباب و لوازمات تو وہ فرع کی حیثیت رکھتے ہیں اور باکمال استاد اصل کا درجہ رکھتا ہے، کیوں کہ علم کی تروتازگی اور درس کی گرم بازاری استاد ہی سے وابستہ ہے۔ جب مدرسہ استاد سے خالی ہو جاتا ہے تو استفادہ ومعلومات کا دروازہ بند ہو جاتا ہے مدرسہ میں خواہ بے شمار دیگر سازوسامان اور فراوان آلات و اسباب ہی کیوں نہ ہوں ایک مدرس کی عدم موجودگی ان کو بے کار وعبث کر دیتی ہے، اب تک تو امام کیاہر اسی دطبری کی بدولت یہ مدرسہ پورے نظام کے ساتھ چل رہا تھا اور مسلسل درس ہوتا تھا چنانچہ بیشمار طالبان علم نے ان سے بے حد فائدہ حاصل کیا ہے اور انہوں نے بہت سے فقہار وعلمار پیدا کر دیئے اس طرح علم کی گرم بازاری اور ہر طرف علمی چہل پہل نظر آتی تھی کہ اس کو دیکھ کر رشک ہونے لگتا تھا لیکن ایک شخص یکایک یہاں سے چھین لیا گیا نہ وہ رونق مدرسہ رہی نہ وہ گرمی بازار علم، افادہ و استفادہ کے پیمانے ٹوٹ گئے اور یہ سرسبز وشاداب چمن دیکھتے ہی دیکھتے اجڑ گیا، عراق میں کوئی نہ رہا جو امام مرحوم کا جانشین بنے اور ان کے نہج و اسلوب پر درس دے اور معلومات بہم پہونچائے اس لئے ہم نے اس کے تدارک اور تلافی کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا نیز خلیفہ بغداد مستظہر باللہ نے ایوان خلافت سے اس کے انتظام کی کوئی صورت وتدبیر نکالنے پر بہت زور دیا ہے اور یہ حکم صادر فرمایا ہے کہ صدر الدین اطال اللہ

لقب نادرہ امام اجل زین الدین حجۃ الاسلام فرید الزمان ابو حامد محمد بن محمد الغزالی ادام اللہ تمکنہ کے سوائے اس مدرسہ کی حفاظت کا بار کسی اور کے ذمہ نہ کرے اس لئے کہ وہ یگانۂ روزگار پیشوائے عالم اور شہرۂ آفاق ہستی ہیں اور ائمہ دین کے زمرہ میں ان کو تقدم حاصل ہے اور ان کی زعامت و پیشوائی مسلم ہے، تمام لوگ ان کے ان مذکورہ بالا اوصاف پر متفق ہیں خلیفہ مستظہر باللہ کے حسب منشا یہ جلیل القدر منصب ان کے حوالے کیا گیا ہے اور مسند درس کا حق ان کے ہی نام سے نامزد کیا گیا ہے، نیز ان کو ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ دوبارہ اس مسند درس کی تنزیین، ان گراں قدر شغل کی طرف رجوع اور اس کار خیر کی تبعیت میں نہ کوئی رکاوٹ پیدا ہو اور نہ عذر پیش کیا جائے لہذا آنجناب سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ اس مہم کے مقابلہ میں کسی اور کو اہم نہ سمجھیں اور فوراً حجۃ الاسلام کو حاضر کریں اور اس تفصیل سے انہیں مطلع کر دیا جائے تاکہ وہ بلا کسی توقف و تاخیر آمادگی کا اظہار کر دیں کیونکہ یہ مقدس مقام بے رونق ہو گیا ہے اور طالبان علم و فن امام صاحب کے سبب فیضان کے منتظر ہیں، فقہاء و اصحاب مدرسہ بجز آپ کی اتباع کے راضی نہیں ہوتے ہیں، خلیفہ مستظہر باللہ کا فرمان جس کی تعمیل واجب و فرض ہے آپ کی امام کی طلبی کے متعلق پیہم ہو رہا ہے، اور کسی قسم کی تاخیر یا تساہل کا روادار نہیں ہے اگر حجۃ الاسلام معذرت خواہی کریں یا فرمان کی تعمیل سے انکار کر بیٹھیں تو ان کا کوئی

عذر مسموع نہ ہو اور ان کی ایک نہ سنیں، بلکہ ان کو واپس آنے کی زحمت دیں اپنی طرف سے ان کے عذرات ازالہ کریں، جیسا کہ صدر الدین معین الملک کے خط میں ظاہر کیا گیا ہے، ان کے سفر کے تمام اسباب و سامان درست طور پر فراہم کر دیں، اور حتی الامکان جلد سے جلد ان کو مامون و مصئون طریقہ سے روانہ کریں، کیوں کہ ہر گھڑی ان کا انتظار کیا جا رہا ہے، تاکہ مدرس کے فقدان سے مدرسہ میں جو بے رونقی پیدا ہو گئی ہے وہ حجۃ الاسلام کی رونق افروزی کی بدولت دور ہو جائے پھر دوبارہ وہی چہل پہل اور رونق تازہ ہو جائے۔ سلف صالح کے طریقوں کے احیاء، ان کے اصول زندگی کی ترویج اور ان سے ربط و ضبط رکھنے کے لئے جو بھی کوشش کی جائے اس کا نتیجہ بہتر نکلے گا اس تجویز کو ترتیب وار عملی جامہ پہنائیں اور بہت جلد تمام حالات و حقائق سے مطلع فرمائیں یہ سب صدر الدین نظام الاسلام شمس الوزراء کی صواب دید پر موقوف ہے انشاء اللہ یہ اپنی جد و جہد میں کامیاب ہوں گے"۔

اس خط کے لکھنے کے بعد وزیر عراق نے اس پر دستخط کرتے ہوئے لکھا مدرسۂ بغداد کے حالات اور نظام الملک شہید وزارت نے جو جد و جہد اس کی راہ میں خرچ کی ہے وہ مخفی نہیں اس کے انتظام اور نظم و نسق میں آپ نے اپنے گراں قدر اوقات صرف کئے اس لئے کہ یہ مدرسہ آستانۂ خلافت میں ہے اور اب تک اس کی انتہائی رونق

تھی، لیکن امام کیا ہراسی کے انتقال سے اب اس کے انتظام میں خلل پیدا ہوگیا ہے ہم تمام پر اس کی بزرگی وشان کا خیال رکھنا واجب ہے کیوں کہ شہید وزارت نظام الملک ہمیشہ اس کے انتظام کی بابت فرماتے تھے جملہ ائمہ وفقہائے عراق چشم براہ اور آرزومند ہیں کہ زین الدین حجۃ الاسلام نقل وحرکت کریں اور اس مدرسہ کو اپنی رونق افروزی سے آراستہ کریں، صدر الدین کا فریضہ ہے کہ اس اہم کام میں اپنی سرگرمی دکھلائیں اور اپنی کوشش اور دلچسپی صرف کر کے اس بزرگ ہستی کو بغداد حاضر کریں اور ان کے یہاں آنے میں اصرار کریں اور ان کا کوئی عذر قبول نہ کریں بلکہ اس کام کو جملہ مہمات میں شمار کریں والسلام۔

وزیر عراق کا خط حجۃ الاسلام کے نام

"ذیل کا خط نظام الدین احمد بن نظام الملک اسحٰق بن علی ابن اسحٰق نے امام کیا ہراسیؒ کی وفات کے بعد امام حجۃ الاسلام کے نام لکھا جس میں ان کو نظامیہ بغداد کی تدریس کی دعوت دی ہے۔"

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

امام محترم حجۃ الاسلام بخوبی واقف ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں

قدر و قیمت کی پہچان اور اس کا شکریہ تمام اہل جہاں پر واجب ہے فیضان الہٰی کا سلسلہ بجز شکر کے اور کسی پر قائم نہیں رہ سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب محکم میں ارشاد فرمایا۔

لئن شکرتم لازیدنکم۔ "اگر تم شکر کروگے تو یقیناً میں تمہیں زیادہ دونگا"

چونکہ اللہ تعالیٰ جن نعمتوں سے اپنے بندوں کو نوازتا ہے اور اپنے جن انعامات و اکرامات سے ان کو بہرہ ور کرتا ہے ان میں بجز علم کے اور کوئی شے بزرگ و برتر نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

یوتی الحکمۃ من یشاء ومن یوتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا

جس کو چاہتا ہے حکمت عنایت فرماتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اسے (تو) بہت کچھ خیر و برکت دی گئی۔

جس شخص کو اس نعمتِ بے بہا سے بہرہ ور اور مخصوص اور زیور علم سے آراستہ کیا گیا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرے اس کا شکریہ طالبان علم کے افادہ اور مسلمانوں کے حق میں افادہ معلومات کے سوائے اور کیا ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام کو علم و فضل کا ایک وافر حصہ عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و کمال کے اس درجہ تک پہونچا دیا ہے کہ آپ مقتدائے روزگار یکتائے زمانہ اور علامۂ وقت بن گئے ہیں، چونکہ یہ بے نظیر خصوصیات اور عدیم المثال آثار ہیں اسلئے آپ کا فرض ہے کہ اپنے اوقات کو ان کے تزکیہ پر منحصر کریں اس کی زکوٰۃ سوائے علم کی نشر و اشاعت اور متعلمین کی رہنمائی کے اور کچھ نہیں

ہر چند کہ آپ کا عہد انہی آثار خیر سے آراستہ ہے، جہاں کہیں آپ ہیں مسلمان آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتے ہیں، لیکن یہ بخوبی معلوم ہے کہ جس طرح آپ مقتدائے روزگار ہیں آپ کی قیام گاہ بھی وہ شہر ہونا چاہیئے جو تمام اسلام کا مرکز اور قبلہ گاہ ہو تا کہ تمام دنیا کے ہر حصے کے لوگ باسانی وہاں پہونچ سکیں اور ایسا مقام صرف دار السلام بغداد ہے، یہی خیال مدتوں سے سوچا ہوا ہے اور عین قرین قیاس ہے اگر آپ التماس کو قبول فرمالیں تو علاوہ عزت افزائی کے ہماری عین خوشنودی کا موجب ہوگا اور آپ کا عزم سفر بے انتہا ثواب کا باعث اور بے پناہ ثنا جمیل کا مستحق ہوگا۔ والسلام۔

امام حجۃ الاسلام کا جوابی خط وزیر اعظم کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات	اور ہر گروہ کے لئے ایک جہت مقرر ہے جدھر وہ منہ کرتا ہے پس تم نیکیوں میں اوروں سے سبقت حاصل کرو۔

اس سے منشاء ایزدی یہ ہے کہ زندگی میں ہر شخص کا ایک نصب العین ہوتا ہے جو اس کی توجہ کا مرکز اور آرزو کا قبلہ ہے۔

فاستبقوا الخیرات سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تم اپنا نقطۂ نظر اور نصب العین ایسا بناؤ جو بہترین ہو اور اسی دائرہ میں تم باہمی سبقت کرو اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتے رہو اس لحاظ سے نوع انسانی جو کسی نیک کام میں اپنا نصب العین اور قبلۂ امید بناتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

پہلا گروہ وہ عوام الناس کا ہے جن کا شمار اہلِ غفلت میں ہوتا ہے

دوسرا طبقہ خواص کا جو دانشمند ہے۔

تیسرا گروہ خاص الخاص لوگوں کا ہے جو اہل بصیرت کہلاتے ہیں

تغافل کیش طبقہ کی نظر موجودہ زوال پذیر اچھائیوں تک ہی محدود رہتی ہے وہ اس طرح سمجھتے ہیں کہ دنیا ہی بہت بڑی نعمت ہے جس کا ثمرہ جاہ و جلال کا سرچشمہ ہے انہی دو سرچشموں کی طرف وہ رخ کرتے ہیں ان دونوں کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک سمجھتے ہیں حالاں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی دو بھیڑیئے بھیڑوں کے گلہ میں اس قدر زیادہ فساد اور نقصان نہیں کرتے جتنا کہ مسلمان کے دین میں حب جاہ و مال سے ہوتا ہے ان غافلوں نے بھیڑیئے کو شکار سے باز نہ رکھا خنکی و گرمی چشم میں تمیز نہ کی پڑے ہیں پستی میں اور سمجھتے ہیں کہ بلندی پر ہیں ان کی اس پستی و ذلت کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس طرح اشارہ فرمایا کہ "دنیا دار ہم کو پوچھنے والا ہلاک و برباد ہو گیا" اور لباس کا بندہ اگر اس کو دیا جائے تو راضی ہو، اگر نہ ملے تو غصہ کرے وہ ہلاک و ذلیل ہو جائے اگر اس کو کوئی تکلیف پہونچے تو اس سے دور نہ ہو۔

خواص نے جو فہم و فراست سے بہرہ ور ہیں، دنیا کا آخرت سے مقابلہ کیا تو انہوں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی، ان پر قرآن مجید کی اس آیت کا انکشاف ہو گیا۔ والاخرۃ خیر وابقیٰ یعنی آنے والا عالم بہتر اور پائدار ہے ان کی کیاست و فراست کا تقاضا یہ کہ یہ ابدی و سرمدی کو زوال پذیر اور فانی شئے سے بہتر جانیں بنا برین انہوں نے اپنا رخ دنیا سے پھیر لیا اور آخرت کو اپنا قبلہ ٹھرایا، ان لوگوں نے بھی خیر مطلق کی تلاش نہ کی لیکن دنیا کے مقابلہ میں بہتر چیز پر قناعت کر لی باقی رہے خاص الخاص لوگ جو اہل بصیرت میں شمار ہوتے ہیں تو ان پر اچھی طرح یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ دنیا کے مقابلہ میں جو چیز ہے وہ خیر مطلق نہیں ہو سکتی اور دنیوی اشیاء سے اوپر جو چیزیں ہیں وہ زوال پذیر اور اوجھل ہونے والی ہیں عقلمند اور مبصر تو زائل ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا اس لحاظ سے انہوں نے دیکھا کہ دنیا اور آخرت دونوں آفریدہ چیزیں ہیں، دونوں بھی شادی بیاہ اور کھانے پینے کی جگہ ہیں جن میں جانوروں کا بھی حصہ ہے لیکن دنیا و آخرت کا بادشاہ و پروردگار ان دونوں سے بہتر ہے، واللہ خیر و ابقیٰ یعنی

خدا بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے" کا نکتہ ان پر منکشف ہو گیا انہوں نے ان اصحاب الجنۃ الیوم فی شغل فاکھون..... (بیشک جنتی لوگ تو اس دن بڑے مزے اڑاتے ہوں گے) کے مقام پر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر (متقی لوگ مقتدر بادشاہ کے پاس مقام صدق میں ہوں گے) کے مقام کو ترجیح دی نہ صرف یہی بلکہ ان لوگوں پر لا الہ الا اللہ کی حقیقت واضح ہو گئی اور انہوں نے جان لیا کہ جو انسان جس چیز کے خیال میں لگا رہتا ہے اسی کا بندہ و غلام ہو جاتا ہے اور وہ چیز اس کا معبود و خدا بن جاتی ہے اس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا عبد الدرھم اس لحاظ سے جس شخص کا نصب العین خدا کے علاوہ اور کوئی چیز ہو تو اس کی توحید کامل نہیں ہے اور شرک خفی سے خالی نہیں پس ان اشخاص نے موجودات عالم کی دو قسمیں قرار دیں اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے مقابل میں رکھا ایک اللہ دوسرا ماسوا اللہ ان دونوں کو ترازو کے دونوں پلڑوں کی طرح دو بازوؤں میں برابر برابر رکھا اور اپنے دل کو ترازو کا کانٹا (لسان المیزان) بنایا جب اپنا دل بہترین بازو کی طرف جھکتے ہوئے دیکھا تو ... لگا یا کہ نیکیوں کا پلہ بھاری رہا اور جب اس سے ہٹتا ہوا دیکھا تو پکار اٹھے گا کہ برائیوں کا پلہ بھاری ہو گیا ان کو بخوبی معلوم ہو گیا کہ جو بھی اس ترازو پر پورا نہ اترے قیامت کے ترازو پر پورا نہ اترے گا

جس طرح پہلا طبقہ دوسرے گروہ کے حق میں عوام کہلاتا ہے اسی طرح دوسرا گروہ تیسرے طبقہ کی نظر میں عوام کے زمرہ میں داخل ہے عوام خواص کی باتوں کو نہیں سمجھتے اور نہیں جانتے کہ اللہ کی طرف خالص توجہ درحقیقت کیا ہوتی ہے۔

جب وزیر اعظم، خدا ان کو بلند مرتبے پر فائز کرے مجھے پست تر مقام سے بلند تر مقام پر آنے کی دعوت دے رہے ہیں تو میں بھی ان کو اسفل السافلین سے اعلیٰ علیین کی طرف بلاتا ہوں کیوں کہ اسفل السافلین پہلے گروہ کا مقام ہے اور اعلیٰ علیین تیسرے طبقہ کا مقام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "جو شخص تمہارے ساتھ بھلائی کا سلوک کرے تم بھی اس کا بہتر بدلہ دو" چوں کہ میں آپ کے احسانوں کا بدلہ ادا کرنے سے قاصر ہوں اس لئے میں، آپ کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ آپ اعلیٰ علیین کی طرف آنے کا ارادہ فرمائیں تاکہ آپ جلد از جلد عوام کے درجہ سے نکل کر درجۂ خواص میں منتقل ہو جائیں اس لئے کہ اللہ کے نزدیک کیا طوس کیا بغداد اور کیا ساری دنیا کی راہیں سب برابر ہیں بعض راستے نزدیک کے اور بعض راستے دور کے نہیں ہیں اور اس مقام تک پہونچنے کے لئے اللہ کے پاس تمام راستے برابر ہیں درحقیقت آپ کو جاننا چاہئے کہ اگر آپ سے دین کا ایک فرض بھی رہ جائے یا نواہی شرعیت میں سے کوئی گناہ کبیرہ کا آپ ارتکاب کر بیٹھیں یا ایک رات بھی آرام سے سو جائیں یا آپ کے تمام

ملک میں ایک بھی مظلوم اور آفت کا مارا رہ جائے تو آپ کا درجہ سوائے قعر مذلت اور مقام پست کے اور کچھ نہ ہوگا اور آپ کا شمار گروہ غافلین میں ہوگا، جو لوگ تغافل کیش اور غفلت شعار ہوں گے وہی آخرت میں خسارہ پانے والوں میں ہوں گے میں خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو غفلت کی نیند سے بیدار کرے تاکہ آپ معاملہ ہاتھ سے نکل جانے سے پہلے مستقبل کے بارے میں غور و فکر سے کام لیں۔

اب میں مدرسہ بغداد کی بابت رجوع کرتا ہوں اور وزیر اعظم کے حکم کی تعمیل میں اپنی معذرت خواہی پیش کرتا ہوں، عذر یہ ہے کہ وطن کی واپسی سے مقصد یا تو دین کا اضافہ ہے یا دنیا کے اضافہ کی جستجو لیکن دنیوی اضافہ اور طلب جاہ و مال کی تمنا تو الحمد للہ پہلے ہی سے دل سے نکل چکی ہے کیوں کہ اگر بغداد کی حکومت اور جائداد طوس میں منتقل کر دی جائے اور دل اس طرف متوجہ ہو تو مصیبت دگنی ہو جائے گی کیوں کہ حکومت کے کاموں میں التفات ہجوم مشکلات کا نتیجہ ہوگی اور وقت کو رائگاں کرنے کا موجب اور دوسرے کام ادھورے رہ جائیں گے۔ باقی رہا یہ امر کہ دینی اضافہ کی خاطر یہاں سے نقل و حرکت کرتا تو یہ اس کے مقتضی و سزاوار ہے اور اس میں شک نہیں کہ بغداد میں اضافہ علم اور افادۂ معلومات کے اسباب زیادہ میسر ہیں اور طلبہ کی وہاں تعداد بہت ہوگی لیکن اس اضافہ دینی میں بہت

سے موانعات ہیں دینی بھی اور دنیوی بھی جن کی بنا پر بغداد میں اضافۂ دینی یہاں کے نقصان کی تلافی نہیں کر سکتا، ایک یہ کہ یہاں طوس میں اس وقت ڈیڑھ سو مستعد طلباء مصروف تحصیل ہیں جن کو بغداد جانے میں زحمت ہوگی، دوسرے مقام کے طلباء کی زیادہ تعداد کی امید پر ان کو یوں ہی چھوڑ دینا اور ان کو آزردہ کرنا روا نہیں ہے اس کی مثال ایسی ہوگی کہ کسی شخص کی سرپرستی و کفالت میں دس یتیم ہوں اور وہ ان کو دوسرے مقام کے بیس یتیموں کی امید پر بے یار و مددگار چھوڑ دے، دوسرے یہ کہ جس وقت میں نظام الملک شہید کی دعوت پر پہلے بغداد آیا تھا تو میرے اہل و عیال نہ تھے اب خاندانی تعلقات اور بال بچوں کا جھگڑا ہے، اور یہ لوگ ترک وطن کی زحمت نہیں برداشت کر سکتے ان کو چھوڑنا اور ان کے دلوں کو مجروح کرنا جائز نہیں ہے، تیسرے یہ کہ جب میں ۴۸۹ھ میں مقام خلیل علیہ السلام میں حاضر ہوا تھا جس کو آج پندرہ سال کا عرصہ ہوتا ہے تو تین عہد کئے تھے جن کو آج تک پورا کر رہا ہوں، ایک یہ کہ کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جاؤں گا، دوسرا یہ کہ کسی سلطان کا مال نہ کھاؤں گا تیسرے یہ کہ کبھی مناظرہ و مناقشہ نہ کروں گا، اگر میں اپنا عہد توڑ دوں تو دل و دماغ مجروح ہو جائیں گے اور کوئی دینی کام میسر نہ ہوگا، بغداد میں مباحثہ و مناظرہ کے بغیر چارہ نہیں اس کے سوا دربار خلافت میں سلام کرنے کے لئے

حاضر ہونا ہوگا، اور میں اس کو گوارا نہیں کرتا۔ جب سے میں شام سے بغداد واپس آیا ہوں اس قسم کا سلام کرنے کے لئے حاضر نہ ہوا۔ سب سے بڑا عذر یہ ہے کہ میں مشاہرہ و وظیفہ قبول نہیں کر سکتا، اور بغداد میں میری کوئی جائداد نہیں، دیگر ذرائع معاش مسدود ہیں، طوس میں جو مختصر جائیداد ہے وہ بچوں کے لئے کافی ہے، میرے غائبانہ میں اس جائداد سے بھی محروم ہونا پڑے گا یہ تمام دینی موانعات ہیں اور اگرچہ بہت سے لوگ اس قسم کے کاموں کو آسان سمجھتے ہیں لیکن یہ میرے نزدیک بہت اہم اور بڑھ چڑھ کر ہیں، چوں کہ میری عمر کا آخری حصّہ ہے اور وداع اور فراق کا وقت ہے نہ کہ عراق کے سفر کا وقت، اس لئے میں ذاتِ گرامی سے اس بات کا منتظر و متمنی ہوں کہ میرے یہ عذر قبول فرمائیں اور فرض کیجئے کہ ادھر غزالی بغداد پہونچا اور ادھر فرمانِ خداوندی آپہونچا تو کیا لامحالہ دوسرا مدرس تلاش نہ کیا جائے گا آج بھی یہی مفروضہ تسلیم کرنا چاہیئے اللہ تعالیٰ وزیر اعظم کو ایمانی حقیقت سے روشناس کرے تاکہ دنیا اس ایمان کی بدولت آباد رہے۔

'والسلام'

شہابُ الاسلامؒ کے نام خطوط

"وزیر شہاب الاسلام کے نام امام صاحب نے جو خطوط لکھے ہیں ان میں علاج دل کی کیفیت امراض قلب سے احتراز اور اطبا، دل اور ارباب قلوب سے شفا طلبی میں جد وجہد کرنے کے لئے گراں قدر ارشادات ہیں۔"

پہلا خط !

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دربار وزارت سعادت دینی و دنیوی سے لبریز ہے زمانے کے حادثات رسواکن اسباب و حاجات اور شیطان کے مکرو فریب سے جناب کا دل محفوظ و مصئون رہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "صدقہ و خیرات تمہاری بیماریوں کی دوا ہے" عوام کے ذہن میں اس سے مراد مداوائے جسم ہے اور خواص کے ذہن میں مداوائے قلب مراد ہے، جسمانی امراض اور قلبی امراض میں بہت بڑا فرق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فی قلوبہم مرض، ان کے دلوں میں

بیماری ہے۔ دلوں کا مرض خطرناک ہونے کے ساتھ ساتھ عام ہوتا ہے کیوں کہ ہزاروں میں سے ایک جسم مریض ہوتا ہے۔ ان ہزاروں میں سے ایک دل صحیح و سالم ہوتا ہے، اس بیماری سے صرف وہی شخص شفایاب ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قلب سلیم عطا فرمایا ہے جس طرح جسم کی بیماری کی علامت ماکولات و مشروبات میں سے پسندیدہ غذا کی اشتہار و رغبت کا ساقط ہوجانا ہے۔ اسی طرح مرض قلب کی علامت اس کی مرغوب غذا کی خواہش کا فقدان و سقوط ہے اور وہ غذا خدائے حی و قیوم کا ذکر ہے۔ جس طرح جسم کی زندگی و ثبات کا انحصار اس کی غذا و قوت پر ہے اسی طرح دل کی زندگی و تر و تازگی سوائے محبت خداوندی کے حاصل نہیں ہو سکتی " الا بذکر اللہ تطمئن القلوب آگاہ ہوجاؤ کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو قرار و اطمینان نصیب ہوتا ہے " جو شخص ذکر خداوندی کے بغیر زندہ ہے، اس کا دل مردہ ہے ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب اس میں دل والے کے لئے نصیحت ہے ہر شخص دل کی حقیقت سے آشنا نہیں ورنہ وہ غذا اور زہر میں تمیز کر سکتا ہے، ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ اللہ تعالیٰ انسان کے اور اس کے دل کے مابین حائل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ " تم مردوں کی مجلس میں نہ بیٹھو صحابہ نے عرض کیا کہ یہ کون ہوتے ہیں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا وہ مالدار ہیں " تونگر سے مراد وہ شخص نہیں جس کے پاس مال و دولت ہو بلکہ اس سے مقصود

اس کا دل ہے جو تمام خزانوں کا حامل ہے، یہ ایسا شخص ہے جو خود اپنے دل کے مرض کا علاج کرتا ہے، صدقۂ مال کے ذریعہ علاج کرنے سے مراد نفس مال نہیں ہے بلکہ ایک ایسے طبیب کی حمایت کا وسیلہ ہے جو علاج دل سے واقف ہے اور خود مریض نہیں ہوتا اس قسم کا طبیب اس مبارک دور میں پایا جاتا ہے اور فلاں شخص اطبار وارباب قلوب میں سے ہے۔

مقامات دل میں بلند درجہ توحید ہے، یہ درجہ زبان سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ معرفت اور جذب سے دست یاب ہوتا ہے اس کا مظاہرہ کسی صاحب معرفت اور صاحب جذب میں کیا جا سکتا ہے، عارف کامل وہی ہے جس کا نور معرفت اور نور تقویٰ و زہد کبھی نہیں بجھتا، اوپر جس طبیب کی نشان دہی کی گئی ہے اس کی بھی یہی تعریف ہے موجودہ ضرورت اور کثرت عیال کی وجہ سے یہاں آیا ہوا ہے میں نے اس کو جناب کے دربار کی طرف رہبری کی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں پر جو فقر و حاجت کو مسلط کرتا ہے اس میں ایک بڑا راز ہے کہ ان کو وہ اپنی عنان حاجت کے ذریعہ مالداروں کے نزدیک لے جاتا ہے اور مالداروں کو ان فقرار کی مزاج درستی اور حاجت روائی کی وجہ سے سعادت کے درجات تک پہونچا دیتا ہے، اللہ پر تو اپنے بندوں کا سارا حال عیاں ہے وہ فقر و فاقہ کی بھٹی بناتا ہے اپنے محبوب بندوں کو آتش مذلت میں جلاتا ہے اور تمام آلائشوں اور مسادی کثافتوں سے ان

کو پاک کرتا۔ اور دست سوال دراز کرنے سے بچاتا ہے تاکہ مالداروں کو ان کی حمایت کے لئے آمادہ کرے اور ان کی سفارش کی بدولت ان کو سعادت کے درجات تک پہونچا دے جناب سے یہ توقع ہے کہ شخص مذکور کی فراغ دلی کی سعی کریں اور تنہائی میں اس کی باتیں سنیں کیونکہ اس کی باتیں سودمند اور ان کی برکتیں وافر ہوں گی۔ والسلام

دوسرا خط

امام حجۃ الاسلام اس خط میں شہاب الاسلام کی خدمت میں ایک بزرگ کی سفارش کرتے ہیں جس کا اشارہ شیخ ابوبکر عبداللہ نے آپ کو کیا تھا۔ کہ بزرگ موصوف کا تعارف شہاب الاسلام سے کرا دیا جائے تاکہ ان پر کچھ نظر کرم ہو جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ آنجناب کو اپنی نعمت کاملہ سے بہرہ ور کرے اور سایۂ دولت ہمیشہ آپ کے سر پر قائم رکھے وزیر اعظم کو نعمت خداوندی کے شکریہ اور اس نعمت کی حقیقت کی پہچان کی توفیق نصیب ہو تکمیل نعمت کا تقاضا یہ ہے کہ صاحب نعمت اس دنیوی زندگی کے بعد ذی اقتدار بادشاہ کے پاس مقام خوشنودی پر قائم ہو اگر اس قسم کی نعمت مسلسل ہوتی رہے تو یہی دوام نعمت ہے۔ مقامات قدم رکھنے بیٹھا

ایک مقام صدق دوسرا مقام زور (باطل) جو شخص بارگاہِ الٰہی سے خطاب کرنے پر اکتفا کرے تو وہ مقام صدق پر فائز ہوگا اور جو اللہ کے سوائے کسی اور کو اپنے دل میں جگہ دے تو وہ مقام زور میں ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس شخص کا ساتھی اور رفیق ہوں جس نے مجھے یاد کیا قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہ شیطانا فھولہ قرین یعنی اور جو شخص خدائے رحمٰن کی نصیحت سے آنکھیں بند کرے گا ہم اس کے لئے ایک شیطان مقرر کردیں گے پس وہی اس کا ساتھی رہے گا، اللہ کے رفیقوں کے بارے میں فرمایا گیا واذ رأیت ثم رأیت نعیما وملکا کبیرا یعنی اور جب تم وہاں نظر اٹھا کر دیکھو گے تو کثیر نعمتیں اور بڑی سلطنت پاؤ گے، جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کو اپنا ساتھی اور جلیس ٹھہراتے ہیں ان کی مثال یہ ہے کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماء حتی اذا جاءہ لم یجدہ شیئا ووجد اللہ عندہ فوفہ حسابہ واللہ سریع الحساب

(ترجمہ) جیسے کہ چٹیل میدان میں چمکتی ہوئی ریت کہ پیاسا اس کو پانی خیال کرلیتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہونچتا ہے تو اس کو کوئی چیز نہیں پاتا اور اللہ کو اپنے پاس پائے گا پھر وہ اس کا پورا پورا حساب کردے گا اور اللہ سب سے تیز حساب کرنے والا ہے۔

عالی ہمت اور بلند حوصلہ شخص کے یہ کسی طرح شایان شان نہیں کہ وہ افضل و اعلیٰ چیز کو ادنیٰ چیز سے تبدیل کرے حضرت عمر بن عبد العزیز

کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ عہدہ خلافت سے مشرف ہونے سے پیشتر جب کبھی کوئی کپڑا ہزار روپیہ کا آپ کے لئے خرید کر لایا جاتا تو فرماتے اگر اس میں کھردراہٹ نہ ہوتی تو کیا ہی بہتر ہوتا اور خلافت پر فائز ہونے کے بعد جب پانچ درہم کا کپڑا خرید کر آپ کے روبرو لایا جاتا تو فرماتے اگر اس میں ملائمت نہ ہوتی تو کتنا اچھا تھا لوگوں نے اس تبدیلی کا سبب دریافت کیا تو فرمایا میرا نفس بے انتہا ترقی پسند اور حد درجہ ذائقہ پرست تھا، اس کی بلند ذوقی کا یہ عالم تھا کہ اچھی سے اچھی چیز بھی اس کے روبرو آتی تو یہ اس سے بڑھ کر طلب کرتا یہاں تک کہ اس نے خلافت کا مزہ بھی چکھ لیا جو ایک جلیل القدر مرتبہ ہے، اس نے اب اللہ کی مرضی تک رسائی حاصل کر لی۔

اللہ تعالیٰ نے آنجناب کو دنیا میں بلند ترین مرتبہ پر فائز کیا ہے اب وقت آگیا ہے کہ آپ اس سے بھی بلند و بالا مرتبہ کو حاصل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اللہ کے فضل و کرم سے یہ بعید نہیں کہ وہ کسی کو دنیا اور آخرت کی نعمتیں جمع کر دے، کیوں کہ وہ جود و کرم والا ہے۔

اس خط کے لکھنے کا موجب و محرک ایک بزرگ ہیں جنہوں نے لمبی عمر پائی ہے، بوڑھے ہو چکے ہیں، ایک عرصہ تک پیران بزرگوار کی خدمت کی ہے اور ان کی صحبت کی برکات سے بہرہ یاب ہیں آخری عمر میں ان کے حالات دگرگوں ہو گئے اور ان پر کمزوری و اضمحلال کے

آثار نمایاں ہو گئے ہیں اس لئے اپنے کسب معاش سے عاجز و درماندہ ہیں دوسرے یہ کہ شیخ ابو بکر عبد اللہ نے جو بہت بڑے ولی اور صوفی منش ہیں اور سبھوں کو بزرگوار موصوف کے اتباع سے برکت حاصل کرنے کا اشارہ کیا ہے مجھ سے خواہش ظاہر کی ہے کہ ان بزرگ وار کا آپ سے تعارف کرادوں تاکہ آپ ان پر نظر کرم کریں، بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ وزیر محترم کی آنکھوں میں دنیا حقیر کر دے اور مملکت آسمانی کے دروازے کھول دے تاکہ وہ روئے زمین کو اور اس پر بسنے والی تمام حکومتوں کو دیکھ لے۔ والسلام

تیسرا خط

وزیر محترم کا سایۂ دولت و اقبال لازوال رہے، آفات زمانہ اور حادثاتِ روزگار اور دشمنوں کے مکر و فریب دیوانِ وزارت سے دور ہی رہیں، سفر کی مشقت سے رہائی پاتا اور رعایائے دولت و اعزہ و اقارب کے درمیان صحیح سلامتی سے واپس ہونا مبارک ہو، وقت کے جو حادثات پیش آئے ہیں اس پر ان کا خاتمہ ہو جائے، ابھی تک دلوں میں پوری قوت باقی ہے جس کی بدولت عزیزان دین کی ہمتوں نے آپ کی امداد کی یہاں تک کہ آپ خطرات سے محفوظ رہے اور

مرتبۂ عز و کمال تک آپ کو پہونچا دیا ہے مستقبل میں بھی وہ آپ کی مدد کریگا تاکہ آپ ایسے منصب پر فائز ہو جائیں کہ حادثات روزگار کا ہاتھ اس منصب تک نہ پہونچے، یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ آپ بالکلیہ دنیوی مراسم سے احتراز کریں اور آپ کا تمام مشغلہ عبادت ہو، آپ کا تمام تر نصب العین علم کی نشر و اشاعت ہو اور دل کو بتمامہ فضل خداوندی پر اعتماد و توکل حاصل ہو، قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذالک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون (ترجمہ) تم کہدو کہ خدا کے فضل اور رحمت ہی سے تو ان کو خوش ہونا چاہئے اور جو کچھ وہ جمع کرتے ہیں اس سے یہ بسا بہتر ہے۔

کیوں کہ مخلوق کی حمایت پر اعتماد تھا اس کا نتیجہ ظاہر ہو گیا۔

مثل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتاً وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون

(ترجمہ) ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز بنا لئے ہیں مکڑی کی سی مثال ہے جس نے ایک گھر بنایا حالانکہ بودے سے بودا گھر مکڑی کا ہے کاش وہ اس بات کو جانتے ہوتے اگر اس قسم کی حالت اللہ تعالیٰ کی راہ میں اخلاص کے ساتھ رونما ہوتی تو لا الٰہ الا اللہ کی حمایت ظاہر ہوتی تمام لوگ مطیع و محکوم ہوتے اگر بھروسہ عمر و زید اور بکر وغیرہ کی حمایت پر کیا جائے تو یہ ایک ایسی عمارت ہوگی جو موج دریا پر قایم کی گئی ہے کیوں کہ انقلاب و

تغیر تو انسان کے دل کی فطرت میں بالخصوص اسی زمانے میں داخل ہے کیوں کہ دلوں میں وہ ثبات و قرار جو پہلے تھا اب کہاں باقی ہے اللہ تعالیٰ وزیر بزرگ و محترم کو مخلوق کی حمایت سے اور ان کے اخلاق حسنہ سے باز نہ رکھے اور ایسا منصب عطا کرے کہ دنیا بھر کا اقبال اور جاہ و مال اس کے مقابلہ میں ہیچ ہو، وباللہ التوفیق واللہ ولی الاحسان بمنہ و فضلہ وسعتہ وجودہ۔

مجیرالدین کے نام خط

پہلا خط

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الاخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیک	اور جو کچھ اللہ نے تجھے دے رکھا ہے تو اس کے ذریعہ سے دارِ آخرت کا طلبگار ہو اور اپنے دنیا کے حصہ کو فراموش نہ کر اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (اللہ کے بندوں کے ساتھ) احسان کر۔

وزیر محترم مجیرالدین کو کلام الٰہی کے اس راز کے معنی میں غور و تامل کرنا چاہیے کیوں کہ ہر کلمہ ایک سمندر ہے اور اس میں بہت سے آبدار موتی

پوشیدہ ہیں، دینی بصیرت ہی سے ان سمندروں میں غوطہ زنی ممکن ہے جس شخص کا ارادہ وخیال دنیا کی زوال پذیر نعمتوں میں غرق ہو یا دنیوی فنا پذیر فائدے ہی اس کی ہمت وحوصلہ کا محور ومرکز ہیں وہ ان کلمات وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الاخرۃ کے راز سے محروم ہے اللہ تعالیٰ نے اسی شخص کے حق میں فرمایا ہے۔

من کان یرید الحیوۃ الدنیا وزینتھا نوف الیھم اعما لھم فیھا وھم فیھا لا یبخسون اولئک الذین لیس لھم فی فی الاخرۃ الا النار وحبط ما صنعوا فیھا وباطل ما کانوا یعملون

جو شخص زندگانی دنیا اور رونق دنیا کا خواستگار ہو گا ہم اسی دنیا میں ایسوں کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے اور ان کو دنیا میں کچھ نقصان نہ دیا جائے گا وہ وہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں سوائے جہنم کے اور کچھ نہیں ہے اور دنیا میں جو کچھ انہوں نے کیا ہو گا وہ سب مٹ جائیگا اور جو کچھ وہ کیا کرتے تھے وہ سب باطل ہو جائیں گے۔

نیز جو شخص خزانہ جمع کرنے، ذخیرہ بندی اور دولت وثروت کی زیادتی میں مشغول ہے وہ اس آیت ولا تنس نصیبک من الدنیا کے مفہوم ومعنی سے نا آشنا ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حصہ کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ۔

"تمہارے مال میں سے تمہیں صرف اتنا ہی حق ہے جتنا کہ تم نے کھایا اور فنا کر دیا یا صدقہ دیا تو اس کو باقی رکھا۔"

جو شخص کسی چیز کو خواہ وہ فردوس بریں ہی کیوں نہ ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے اپنا نصب العین قرار دیتا ہے تو اس کی نگاہیں اس آیت واحسن کما احسن اللہ الیک کی گہرائی تک نہیں پہونچ سکتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کی تشریح اس طرح فرمائی ہے جیسا کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے دریافت کیا تھا ما الاحسان قال ان تعبد اللہ کانک تراہ کہ احسان کیا ہے آپ نے فرمایا تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو جس معزز شخص پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا فیضان کیا ہے اس پر ان کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے، شکریہ کی یہ صورت ہے کہ وہ پروردگارِ نعمت کے درجے کو پہچانے جو نعمت اس نعمت کے مافوق وماوراء ہو اور اس کا حصول ممکن ہو اس کی کوشش کرنی چاہیئے اور ایک ہی نعمت پر قناعت نہ کرنا چاہیئے جس شخص میں بلند ترین نعمتوں کو حاصل کرنے کا شوق دامن گیر ہو تو ہر روز اس کی پہچان میں اضافہ ہوگا اور اس کے کاموں کو ترقی ہوگی یہ ہے شکر کی حقیقت جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے لئن شکرتم لازیدنکم اگر تم شکر کروگے تو میں یقیناً تم کو زیادہ دوں گا۔ درحقیقت یہی شکر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اختیار کیا کہ آپ عہدہ خلافت سے مشرف ہونے سے پیشتر آپ کے لئے ہزار درہم کا کپڑا خرید کر لایا جاتا تو تو فرماتے اگر اس میں کھردراہٹ نہ ہوتی تو کیا ہی بہتر تھا، اور خلافت سے فائز ہونے کے بعد جب پانچ درہم کا کپڑا خرید کر آپ کے روبرو لایا

جاتا تو فرماتے اگر اس میں ملائمت نہ ہوتی تو کتنا اچھا تھا لوگوں نے اس تبدیلی کا سبب دریافت کیا تو فرمایا" میرا نفس بے انتہا ترقی پسند اور حد درجہ ذائقہ پرست تھا اس کی بلند ذوقی کا یہ عالم تھا کہ اچھی سے اچھی چیز بھی اس کے روبرو آتی تو یہ اس سے بڑھ کر طلب کرتا تھا یہاں تک کہ اس نے خلافت کا مزہ بھی چکھ لیا جو دنیا کا ایک جلیل القدر مرتبہ ہے اس نے اب اللہ کی مرضی تک رسائی حاصل کرلی واذا رایت ثم رایت نعیما وملکا کبیرا، اور جب تم وہاں نظر اٹھا کر دیکھو گے تو کثیر نعمتیں اور بڑی سلطنت پاؤ گے۔

فی الحقیقت دنیوی نعمت کا شکریہ وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو دنیا کو ایسے شخص کے ذریعہ پہچانتا ہے جس کا دنیا میں نہ کوئی منصب ہے اور نہ جاہ و مرتبہ بلند خیالی اور بے نیازی ہی دنیوی منصب و جاہ کے مقابلہ میں بے پناہ عظمت رکھتی ہے لیکن دنیا سے روگردانی کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں۔

پہلا گروہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی نگاہیں محض دنیا کے عیوب و آفات پر پڑتی ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے ترک دنیا اس لئے اختیار کیا کہ وہ بہت جلد فنا پذیر ہے اس میں مشکلات کار کا ہجوم ہے اور اس میں حصہ لینے والوں میں رذالت اور کمینگی پائی جاتی ہے اس طرح کا ترک دنیا ہر چند کمترین درجہ ہے لیکن اس تصور سے غافل انسانوں کی بہ نسبت بہ درجہ کمال ہے،

دوسرے گروہ کی بصیرت پہلے سے بڑی ہوئی ہے کیوں کہ ان کی مملکت آخرت کے کمال پر پڑی انہوں نے کہا اگر دنیا آفات و مصائب سے پاک ہی کیوں نہ ہو ہمیں اس کی تمنا نہیں کیوں کہ دنیا کی مملکت آخرت کے لئے حجاب ہے آخرت کی مملکت میں کمال کے مظاہر پائے جاتے ہیں عین ناقص شے پر قناعت کرنے میں سراسر نقصان ہے ایسے روشن ضمیر طبقہ پر اس آیت والاخرۃ خیر وابقیٰ اور آخرت ہی سب سے زیادہ باقی رہنے والی ہے" کا راز منکشف ہو گیا اس مفہوم و معنی کو وہ لوگ بخوبی سمجھ گئے اور کہا اگر دنیا وسونے کی ہو جو باقی نہیں رہتا اور آخرت خزف ریزے ہوں جو ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں تو عقلمند کا فریضہ یہ ہے کہ وہ خزف ریزوں کو جو ابدی و پائدار ہیں سونے پر جو فنا پذیر خزف ریزے کی حیثیت رکھے اور آخرت پائندہ و تابندہ سونے کا درجہ تو کیا آخرت کو دنیا پر لامحالہ ترجیح نہ ہو گی؟

تیسرا گروہ اس درجہ سے بھی اور آگے نکل گیا اس نے دنیا و آخرت دونوں سے قطع نظر کر لیا اور اس پر اس آیت واللہ خیر و ابقیٰ اور اللہ ہی سب سے بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے کا راز آشکار ہو گیا اس نے فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر (ذی اقتدار بادشاہ کے پاس مقام خوشنودی میں ہوں گے) کے منصب جلال کا مشاہدہ کیا اور اس کا مطلب و مدعا اس کے ذہن نشین ہو گیا تو کہا جنت کے جس قدر مظاہر

داوصاف ہیں وہ تمام حظ نفس اور لذت حواس کے سامان ہیں نیز وہ نا و نوشش نکہت وصہبا رنگ و بو نغمہ و سرود وغیرہ سے خالی نہیں حیوانوں کا بھی اس میں حصہ ہو سکتا ہے جن چیزوں میں بہائم کا بھی حصہ ممکن ہو ان کو قبول کرنا اور ان کی طرف توجہ کرنا ایک قسم کی بہیمیت ہے اس لئے اس طبقہ کے لوگوں نے بہائم کے نسبت درجہ سے نکل کر ملائکہ کی سلطنت کے افق پر قدم دھر دیا جن کی خصوصیت بارگاہ جلال میں حاضر رہ کر سجدہ ریزی اور تسبیح خوانی اور تقدس سرائی کرنا ہے۔ یسبحون اللیل والنہار ولا یفترن (وہ رات اور دن بلا وقفہ تسبیح بیان کرتے ہیں) یہ ہے منتہائے کاروان الیٰ ربک المنتہیٰ یقیناً تیرے پروردگار کے پاس ہی منزل مقصود ہے اور یہ ہے بے پناہ کام اور بے پایاں مقصد کہ بارگاہ ربوبیت میں ترقی کی کوئی حد ہے اور نہ انتہا اس کے ماورا بہت سے ایسے اسرار و رموز ہیں جن کی تشریح کی زبان و قلم کو اجازت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ وزیر محترم مجیرالدین کو توفیق عطا کرے کہ وہ بجز درجہ کمال کے کسی اور شے پر قناعت نہ کرے اور مندرجہ بالا کلمات میں فکر و نظر کرے، کیوں کہ اس اصول و بنیاد کا ہر باب اسرار دین کا ایک راز ہے کہ معمولی علماء کی آنکھیں ان کے مبادی و مقدمات کے مشاہدہ کرنے سے دوختہ ہیں چہ جائے کہ وہ ان کی گہرائی تک پہونچیں،

جب سے میں بغداد میں جناب سے مستفید ہوا ہوں، شام حجاز

عراق وغیرہ جہاں بھی میں نے سفر کیا آپ کے احسانوں کے شکریہ اور آپ کی دعا وثنا سے زبان خاموش نہ رہی اب ایک مدت سے میں نے گوشہ نشینی اختیار کرلی ہے اور سلاطین کے دربار کی حاضری اور ان سے خط وکتابت سے کنارہ کشی کرلی اور قلم وزبان پر مہر سکوت طاری کر دی ہے، اب جو میں نے اپنی عادت کے خلاف کیا ہے اس کے دو وجوہ ہیں ایک یہ کہ آپ کی ملاقات کا شوق دامن گیر تھا اور آپ کی دور وزارت کی خوشخبری سن کر جو باشندگان ملک کو میسر ہے زبان وقلم کو طبعی طور پر نہ کہ اختیاری جنبش ہوئی دوسرے یہ کہ اس وقت یہاں کے آس پاس کے خطوط میں بہت سی خرابیاں جڑ پکڑ چکی ہیں، یہاں کے ہر بڑے شخص نے بھی آپ کی وزارت کی خوشخبری سن کر آپ سے ملنے کا ارادہ کرلیا تھا فلاں شخص نے بھی جس کو آپ سے دوگانہ عقیدت واخلاص ہے آپ کے حضور میں جلد از جلد حاضر ہو کر مبارکبادی کی رسم ادا کرنا چاہی اس شہر سے باہر جانا گویا شہر کو خالی چھوڑنا اور بے رونق بنا دینا تھا اس لئے اس نے مجھ سے مشورہ کیا اور یہ رائے ظاہر کی کہ اسوقت توقف کرے اور جناب عالی کے فرمان کا منتظر ہو چوں کہ مجھے اس کے ایفاء عہد کی دیانتداری اور اس کی دانشمندی پر پورا اعتماد تھا اس لئے میں نے ضمانت دی کہ وہ قابل اعتماد ہے کیوں کہ جناب کی نظر میں رعایا کے کاموں کی دیکھ بھال مراسم تہنیت کی ادائے گی پر مقدم ہے، چونکہ اسے اسکے جملہ ہمنشینوں

پر خاندان نظامی سے فضیلت و برتری حسن سیرت کفایت شعاری رعایا پر شفقت کی نظر، عہد شباب میں تقویٰ و زہد کا جو اختصاص و امتیاز حاصل ہے اور وقار و سکون اور حسن تدبیر کے ساتھ اپنے تجربات کے ذریعہ جو خدمات انجام دی ہیں ان تمام کی بنا پر یہاں کی حکومت اس پر اعتماد رکھتی ہے اس لئے وہ ایوان وزارت سے اپنی تائید و امداد اور بحالی کا موقع ہے اور جناب کے فرامین کا امید وار جس قدر اثر اس کے اختصاص و امتیاز کا ہے وہ اس کے اخلاص و حسن عقیدت میں ظاہر ہوتا ہے چوں کہ حکومت کے عہدہ کے لئے ایک دور اندیش اور صائب الرائے کی ضرورت تھی اس لئے اس مدت میں فلاں شخص پر اعتماد کیا گیا کیوں کہ وہ حسب و نسب علم و فضل اور کفایت و دیانت میں اپنے ابنار جنس کے درمیان بے نظیر تھا۔ اس کی درخواست کے بغیر اس کے لئے اس عہدہ کے احکام صادر کئے گئے لیکن اس نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے تردد کیا کیونکہ حالات پریشان کن تھے میں نے رعایا کی مصلحت کی خاطر اس عہدہ کو قبول کرنے کے لئے اس کو بہت ترغیب دلائی، مگر وہ توقف کئے ہوئے تھا اور اپنا یہ کام انتہائی تن دہی و مستعدی کے ساتھ کر رہا تھا اب امید ہے کہ تمام کام باقاعدہ ہو جائیں گے اور تمام اکابر کے مقصد کے مطابق جاری ہو نگے وزیر محترم کا فرض ہے کہ وہ اس بارے میں کوئی فرمان صادر فرمائیں تاکہ وہ تردد و توقف کی راہ سے ہٹ جائے جب قلمدان وزارت سے فرمان نافذ ہوگا تو دلوں کو اطمینان و قرار حاصل ہو جائے

گا، طوس ایک ایسا شہر ہے جہاں اہل دین اور صاحب زہد و تقویٰ بستے ہیں ان کی دعائیں مضبوط قلعہ کا حکم رکھتی ہیں یہاں کے خطہ میں یہ آفت و مشکل ہے کہ یہاں کے اکابر و اعیان حکومت مختلف اغراض کا شکار رہیں اور ایک دوسرے سے حسد و بغض کے عناصر جو اکثر مخلوق کی خصلت ہے ان میں کارفرما ہو گئے ہیں وہ دین کے کاموں میں توقف کرتے ہیں تفصیلی حالات فلاں شخص آپ کے سامنے ظاہر کرے گا جو فلاں کے پاس قابل اعتماد ہے اور اس کو ملک کے گوشہ گوشہ کی خبر ہے اس لئے جلد از جلد اپنا فرمان مبارک نافذ فرمایا جائے تاکہ اہل ملک کو خوش حالی نصیب ہو اور ہمیشہ ان کی دعائیں آپ کے حق میں جاری رہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دعائیں مجیر الدین کے حق میں قبول فرمائے والسلام

دوسرا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

استجیبوا لربکم من قبل ان یاتی یوم لا مرد له من الله، ما لکم من ملجا یومئذ	قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس کا ٹلنا خدا کی طرف سے مقرر نہیں ہے تم اپنے پروردگار کا حکم مانو اس دن نہ تو تمہارے

وما لكم من نكير فان اعرضوا فما ارسلناك عليهم حفيظا ان عليك الا البلاغ

لئے کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ اس دن تمہارا کوئی انکار چل سکے گا، اس پر بھی اگر وہ روگرداں ہوں تو ہم نے تم کو ان کا محافظ بنا کر نہیں بھیجا تمہارے ذمے صرف پہنچا دینا ہے

نہ ٹلنے والا دن موت کا دن ہے کہ حسرت و ندامت سودمند نہ ہوگی فلم یکن ینفعھم ایمانھم لما راوا باسنا یعنی جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکیں گے تو ان کا ایمان ان کو کوئی نفع نہ پہونچائے گا" پیغام پہونچانے کا مطلب جیسا کہ کہا گیا ہے کہ عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد دوسرے عالم کے لئے زاد عمل تیار کرے، نادان وہ ہے اپنے خواہشات نفسانی کی پیروی کرے قبولیت سے مراد یہ ہے کہ زادِ آخرت کی تدبیر میں مشغول ہو اور دنیا سے صرف اسی قدر حصہ لے جتنا کہ ایک سوار اپنے لئے توشہ اختیار کرتا ہے زاد آخرت یہ ہے کہ پہلے اپنی فریاد رسی کرے اس کے بعد مخلوق خدا کی داد خواہی کرے مخلوق خدا ظالموں کے ہاتھ میں اسیر ہے جو شخص ان کی فریاد رسی کرے گا اس کا لقب آسمان میں مجیر الدولہ (حکومت کو پناہ دینے والا) ہوگا القاب و خطابات تو آسمان سے نازل ہوتے ہیں جیسا عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص علم سیکھے اس پر عمل کرے اور دوسروں کو علم سکھلائے تو اس کا مرتبہ مملکت آسمانی میں بے پناہ ہوگا۔ ہر شخص کا اس کے حال کے مطابق آسمان میں ایک لقب ہوتا ہے۔

اپنی فریاد رسی کا مطلب یہ ہے کہ خود کو بری خواہشات، غضب و شہوت، حرص و آز اور کبر و نخوت کے جذبات سے باز رکھے کیوں کہ ظالم لوگ شیطان کی فوج ہیں اور عقل جو لشکر خداوندی ہے ان ظالموں کے ہاتھوں اسیر ہو گئی ہے اور انہی کی خدمت پر کمربستہ اور شہوت رانی کو پورا کرنے اور غیظ و غضب کی تدبیروں کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جد و جہد کئے ہوئے ہے، جو شخص اپنی عقل و فکر کو کسی کی بندگی اور غلامی سے رہائی دیتا ہے وہ بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہو کر مشاہدہ ربوبیت کا اہل ہوتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر شیاطین بنی آدم کے دلوں میں راہ نہ پاتے تو بنی آدم مملکت آسمانی میں نظر کرتے جو شخص اپنی عقل کو مذکورہ بالا صفات سے آزاد کر لے تو بارگاہِ ربوبیت کے سزاوار ہو گا۔ اس کا لقب آسمان میں مجیر الدولہ ہو گا۔ اور وزیر محترم کے کمال عقل و دانش سے جو زمانہ کے وزیروں میں ممتاز اور مبصر ہے توقع ہے کہ وہ ان مطالب و معانی کو سمجھیں گے اور موت کی نہ ٹلنے والی گھڑی آنے سے پیشتر اپنے لقب کو عملی جامہ پہنائیں گے کیونکہ موت قریب میں آنے والی ہے۔

باقی رہی مخلوق کی فریاد رسی تو یہ تمام پر واجب ہے کیوں کہ ظلم و ستم حد سے تجاوز کر گیا ہے، دیگر یہ کہ میں نے جب اس قسم کے ظلم و استبداد کا تماشہ دیکھا تو تقریباً ایک سال کا عرصہ ہوا کہ طوس سے ہجرت کر چکا ہوں تاکہ میں بے رحم اور ذلیل ظالموں کو دیکھنے سے

نجات پاؤں، جب ضروری کام کی وجہ سے دوبارہ طوس واپس ہوا تو دیکھا کہ اب تک اسی طرح ظلم وستم کا دور دورہ ہے اور مخلوق کی مصیبتیں اور تکلیفیں دوچند ہیں، مخلوق کی ایذا رسانی سے اپنے آپ کو نجات دے کیوں کہ یہ دنیا میں ذلت کا موجب اور آخرت میں عذاب کا سبب ہے اس کے ازالہ کے لئے جدوجہد کرنا ہی جہاد اکبر ہے اس جہاد میں فتح وظفر پانے کی علامت یہ ہے کہ جو شخص اس میدان میں فتح یاب ہوا وہ بادشاہ ہوگیا اور اس قابل ہوگیا کہ سلاطین دنیا پر فوقیت لے جائے۔

اگر کوئی شخص خدمت خلق کرنا چاہتا ہے تو یہ جذبۂ خدمت زرق برق لباس پہننے سے ناممکن ہوتا ہے کیوں کہ زیب وزینت کا لباس رعونت وخود آرائی کا موجب ہے، اس قسم کا شخص درحقیقت مرد کی صورت میں عورت ہوگا، اگر وہ اس درجہ پر پہونچ جائے کہ عوام الناس اس کی خدمت کریں تو یہ اسیر کبر وریا ہوگا اور درحقیقت یہ عقلمند کی صورت میں جاہل ہوگا کہ ترک خدمت گذاری دین ودنیا میں بے حد نقصان ہوگا اور عوام الناس کی خدمت گذاری میں اس کو کوئی فضیلت وشرف نہیں ذرا سے تامل سے اس کو بخوبی معلوم ہوجائے گا کہ عوام کا کوئی فرد وزیر کی خدمت نہیں کرتا، بلکہ اگر سجدہ کرتا ہے تو اپنی حرص وآز کے آگے اور خدمت کرتا ہے تو اپنی شہوت کی اور اس مال کی جو وزیر سے حاصل کرتا ہے لیکن یہ وزیر کو دھوکے اور فریب میں رکھتا ہے اس کے سامنے اس کی تعریف وستائش کرتا ہے اور اس کی دوستی کا اظہار کرتا ہے

حالاں کہ فی الحقیقت اس سے ان کی دوستی کا انحصار چند خسیس روپے پر ہوتا ہے تاکہ اس سے حاصل کرلیں اور اس کو اپنی حرص و آز کا آلہ کار بنائیں اور یہ دھوکا اور فریب دیں کہ ہم تیرے دوست اور خدمتگار ہیں اگر ان کو کسی طرح یہ خبر ہو جائے کہ اپنے محسن وزیر کی معزولی کا اندیشہ ہے اور کسی دوسرے کے قابض ہونے کا احتمال تو تمام اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور اس سے دو چند خدمت کا اظہار اس کے دشمن کے سامنے کرنا شروع کر دیتے ہیں جب یہ غور کرے گا تو اس کی مسرت لوگوں کے مکر و فریب اور ان کی ہنسی سے ہو گی اس کے فضل و شرف کی بنیاد اس کے جاہ و جلال کے خیال پر ہو گی اگر اس خیال کو وہ دل سے نکال دے تو دنیا اس کو دوزخ کی طرح تنگ و تاریک دکھائی دے گی اور کمزور شرف وہ ہے جس کی بنیاد مخدوم و حاکم کے میلان قلب پر قائم ہو حالاں کہ یہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور اور بودا اصول ہے۔ مثل الذین اتخذوا من اللہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتا وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت۔

(ترجمہ) ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز بنالیے ہیں مکڑی کی سی مثال ہے جس نے ایک گھر بنایا حالاں کہ بودے سے بودا گھر مکڑی کا ہے۔

مستقل اور پائیدار شرف وہ ہے جس کی بنیاد اساس معرفت و حریت ہو یہی باقیات صالحات میں سے ہے۔ معرفت سے مراد یہ ہے کہ

انسان دنیا کے غرور اور اس کے فریب کی گہرائی اور آخرت کی بلندی تک پہونچ کر جائزہ لے حریت کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے خواہشات نفس کی غلامی سے رہائی پائے مثلاً اگر تمام دنیا کے بادشاہ اس کی خدمت کریں تو یہ سب سے بے نیاز و برتر ہو، اگر اپنے دل میں ذرا بھی اس خدمت گذاری کی طرف التفات کرے تو پھر اس کو اپنا ماتم کرتے ہوئے بیٹھ جانا چاہئیے کیوں کہ ابھی تک وہ بندہ و غلام اور بے چارہ و حاجتمند ہے کیوں کہ اس کا رنج، اس کی خوشی اور اس کی مسرت یہ تمام دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں، اور وہ خود اپنے اوپر اعتماد نہیں رکھتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا اگر لوگ انواع کے اعمال کے ذریعہ اللہ کی قربت تلاش کرتے ہیں تو اپنی عقل کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرو" یہ ارشاد اس لئے ہوا کہ عقل و فکر کے ذریعہ تقرب حاصل کرنے والے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس کیمیا کا علم ہے اور اعمال کے ذریعہ تقرب حاصل کرنے والے کی مثال اس شخص کے مانند ہے جس کے پاس گنتی کے چند روپے ہوں جن سے چند روز گذران ہو جائے اس کا سبب یہ ہے کہ عقل سے تقرب حاصل کرنیوالا ہر کام کی حقیقت میں بخوبی غور و تفکر کرتا ہے یہاں تک کہ دنیا اس کی نظر میں اچھی طرح حقیر دکھائی دیتی ہے اور اسکی قدر و منزلت اس کے دل سے زائل ہو جاتی ہے اور وہ پکار اٹھتا ہے کہ میں نے دنیا کو تین طلاق دے دی جب تک یہ تعقل و تفکر نہ پیدا ہو جائے دنیا کی حقیقت کا انکشاف پوری

طرح نہیں ہوگا اور دنیا کی بندگی کا بندھن اس سے نہیں ٹوٹے گا اور جب تک وہ دنیوی بندشوں میں جکڑا رہے گا جمال الہٰی کا مشاہدہ نہ کرے گا جس سے مراد شریعت کی زبان میں رویت یعنی دیدار ہی جس شخص کی سعی وجد وجہد کی جولاں گاہ حصول جنت وحور و قصور ہو اس کا شمار اولیاء اللہ میں نہ ہوگا کیوں کہ اس کا تقرب ایسا ہی ہوگا جیسا کہ عوام الناس بادشاہوں اور وزیروں کا تقرب حاصل کرتے ہیں، جن کا مقصد و مدعا اس سے اپنی غرض حاصل کرنا ہوتا ہے، جو شخص غیر کو چاہتا ہے، اس کا محبوب محض وہی غیر ہوگا۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے وزیر محترم کو عقل کامل سے آراستہ کیا ہے اس لئے اس کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی عقل و فکر کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرے تاکہ وہ طبقۂ عقلاء و زمرۂ دانشوراں میں شمار کیا جائے اور سراب کی طرح چمکنے والی چیزوں سے دھوکا نہ کھائے جو لوگ اپنی توجہ کا مرکز دنیا کو بنائے ہوئے ہیں اور آخرت سے روگرداں ہیں اس کا سبب ان کی تغافل کیشی اور عقل کی کمی ہے، کیوں کہ ان پر شہوات نفسانی کا اس طرح تسلط و غلبہ ہے کہ وہ ان معانی و مطالب میں غور و فکر کرنے کا موقعہ نہیں پاتے لیکن جس شخص کو اس کی عقل جادۂ آخرت پر چلنے سے ہٹا دیتی ہے اسکے صرف دو سبب ہیں ایک یہ کہ وہ اپنی کسی خواہش نفس کا اسیر ہوگا جس کی وجہ سے وہ مال و جاہ کو نہیں چھوڑ سکتا اس کا علاج صرف یہ کہ گروہ مردان کار کی ہمت اور ان کے عزم و ارادہ کو اختیار کرے، درماندہ نفس کو

حقارت کی نظر سے دیکھے بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کے ذریعہ رذیلوں اور دوں ہمتوں کے زمرہ سے نکل کر بلند تر ہو جائے اور دنیا سے روگردانی کے لئے یہ امر کافی ہے کہ دنیا مصائب کا گھر ہے، بہت جلد فنا ہو جانے والی اور اس کے حصہ دار کمینے ہیں، دوسرا سبب جو اس کو آخرت کے راستہ سے ہٹائے رکھتا ہے یہ ہے کہ آخرت کے معاملہ میں کسی شبہ یا کوتاہی بصیرت کی وجہ سے وہ توقف اور تردد کرتا ہے اگر کوئی شخص آخرت کو محسوسات و متخیلات پر ٹھیک طرح قیاس کرتا ہے پھر بھی وہ نشانہ تک نہ پہونچے اور تردد کر بیٹھے تو کوئی تعجب کا مقام نہیں کیوں کہ بہت سے لوگوں کو پروردگار عالم کے باب میں شک اور تردد ہے اس شخص کا علاج یہ ہے کہ اپنا جائزہ لے اور یہ گمان دل سے نکال ڈالے کہ اس کی بصیرت اور ارباب تحقیق و تدقیق سے دریافت کرنے اور معلومات حاصل کرنے میں مشغول ہو فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون اگر تم جانتے نہیں ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو جس طرح ایک طبیب کو دلیل و برہان کے ذریعہ یہ معلوم ہے کہ انسان کی روح ایک مدت تک باقی رہتی ہے اور اس کی غذائیں مختلف قسم کے کھانے ہیں اور زہر اس کے حق میں باعث ہلاکت ہے اسی طرح ہمیں برہان و دلیل سے نہ کہ اخبار و آثار کی تقلید کے طریقہ سے یہ محقق و ثابت ہو چکا ہے کہ درحقیقت انسان کے لئے ابدی بقا ہے کہ جس کو عدم کے ہاتھ ہرگز چھو نہیں سکتے اس کی نجات انسانی صفات و خواہشات نفس سے آزادی

میں ہے اور سعادت کا انحصار بارگاہ ربوبیت کے جلال و عظمت کے آثار کے حقیقی معرفت پر ہے نجات علیحدہ شے ہے اور سعادت جداگانہ اس کی تشریح و توضیح نہ تو شاعرانہ تخیلات کے ذریعہ جو عوام کے مذاق کے مطابق ہوتی ہے ممکن اور نہ واعظانہ بیانات کے وسیلے میسر جو عوام و خواص کی قوت بصیرت کے سزاوار ہے بلکہ حقیقی عقلی برہان و دلیل کے ذریعہ سے نصیب ہو سکتی ہے کیوں کہ شراب حقیقت کی یہ مستیاں محققوں ہی کے شایان شان ہیں بنا بریں وزیر اعظم پر ایسی عقل و فکر واجب ہے جو اپنا جائزہ لے اور معلوم کرے کہ اس کو جادۂ مستقیم سے پھیرنے والے اسباب کیا ہیں پھر اس کے علاج کی طرف توجہ کرے تاکہ اگر مخلوق کی فریاد رسی کو نہ پہونچے تو خود اپنی داد خواہی کر لے والسلام

تیسرا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم پر جو احسان کرے تم اس کا اچھا بدلہ دو حق بات کو صبر کے ساتھ سننا کمال احتساب ہے۔ اسی بنا پر حضور محترم موجب دعاہیں میں بارگاہ ایزدی میں دست بدعا

ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حقیقت سعادت سے روشناس ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور سعادت کو آپ کے لئے مخصوص کر دے آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ سعادت مند وہی ہے جو دوسروں کی نصیحت سے حق کی تلخی کو برداشت کرنا نہایت مشکل کام ہے سب سے پہلے جو شخص اس سعادت سے محروم رہا وہ تاج الملک تھا، کیوں کہ نظام الملک کے خاتمہ کا واقعہ زبان حال سے اس کو کہتا تھا کہ یہ آخری واقعہ ہے اس کے ابتدائی حصہ سے عبرت حاصل کرنی چاہئے لیکن تاج الملک نے اس سے کوئی عبرت نہ پکڑی اور بڑی امیدیں اپنے سے وابستہ رکھیں اور اپنے دل میں کہا کہ نظام الملک لڑکا تھا اور اس کو طویل موقعہ ملا اور ہماری عمر بہت بڑی ہے لہٰذا آسمانی تقدیر نے تھوڑے ہی عرصہ میں اس کے نشۂ غرور کو کافور کر دیا، اس نے اپنے کردار کی سزا پائی اس کی حالت کو دیکھ کر مجد الملک کو عبرت پکڑنی چاہیئے تھی، لیکن اس نے بھی کچھ خیال نہ کیا اور اپنے دل میں کہا کہ غلامان نظامی تاج الملک کے دشمن تھے جنہوں نے اس پر خیانت کا الزام قایم کیا میں اس الزام سے بری ہوں، میں زمانے سے اپنی داد و انصاف حاصل کروں گا اور حکومت اپنے حسب مرضی کروں گا اسکے بعد زمانے نے بہت ہی کم عرصہ میں اس کے پندار کو بھی فاش کر دیا اور اس سے کہا اولم نعمرکم مایتذکر فیہ من تذکر وجاءکم النذیر (یعنی ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں نصیحت پکڑتا نصیحت پکڑنیوالا اور

حالانکہ تمہارے پاس ڈرانے والا آیا پھر مویدالملک کی باری آئی وہ غفلت سے نہ چونکا، حالانکہ یہی واقعہ اس کے روبرو تین مرتبہ پیش آیا لیکن اس سے اس نے کچھ بھی نصیحت حاصل نہ کی اس نے اپنے نفس میں کہا اگلے وزیر اپنے حسب و نسب کی بدولت اس منصب جلیلہ کے مستحق نہ تھے اس لئے ان پر بہت جلد زوال آگیا میں اس وارث و مستحق ہوں میں اس عہدہ کو خوب سمجھتا ہوں، لیکن اس کا یہ ادعا غلط نکلا اور زمانے نے بہت جلد اس کے غرور و نخوت کو طشت ازبام کر دیا اب مجیرالدولہ کی باری آئی گویا دنیا میں اس کے سوائے اور کوئی وزیر نہیں اب بارگاہ ربوبیت سے اس کی طرف ندا آرہی ہے، اولم یھد لھم کم اھلکنا قبلھم من القرون یمشون فی مساکنھم ان فی ذلک لاٰیٰت لاولی النھی (ترجمہ) کیا ان کو اس بات نے کچھ بھی نہ سمجھایا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے ہی زمانہ والوں کو جن کے گھروں میں یہ چلتے پھرتے ہیں ہلاک کر دیا بے شک سمجھداروں کے لئے اس میں نشانیاں موجود ہیں۔"

اس قسم کا اشارہ قدرت آپ کی طرف کر رہی ہے اور اور کہہ رہی ہے کہ اے عقلمند وزیر ہرگز اپنے نسب کو اور اپنے تعلق کو عقلمندوں سے منقطع نہ کر کیوں کہ اس میں عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں موجود ہیں جو لوگ تجھ سے پیشتر گذرے ہیں انہوں نے اس تعلق کو منقطع کر دیا تو ان کے حالات میں بخوبی غور و خوض کر اور دیکھ کر۔

کم ترکوا من جنات وعیون وزروع ومقام کریم ونعمة کانوا فیھا فاکھین کذلک واورثنا قوما آخرین فما بکت علیھم السماء والارض وما کانوا منظرین

کتنے باغات اور چشمے اور کھیتیاں اور اچھے اچھے مکان اور نعمتیں جن کا وہ لطف اٹھایا کرتے تھے چھوڑ گئے ایسا ہی ہوا کرتا ہے اور ہم نے ان چیزوں کا وارث دوسرے لوگوں کو کردیا پس نہ ان پر آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ ان کو ڈھیل دی گئی۔

تو اپنا جائزہ لے اگر زمانہ تو بھی اوروں کی طرح گذار دے کیا جواب دے گا۔

افرأیت ان متعناھم سنین ثم جاءھم ما کانوا یوعدون ما اغنی عنھم ما کانوا یمتعون

کیا تم نے غور کیا کہ اگر ہم ان کو کچھ برسوں تک فائدہ پہنچا دیں پھر بھی ان پر وہ آئیگا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے اور جن سے یہ نفع اٹھا چکے ہیں وہ ان کو کچھ فائدہ دیں گی۔

درحقیقت آپ کو اس کا علم ہونا چاہیئے کہ جس بلا و آفت میں آپ مبتلا ہیں کوئی وزیر مبتلا نہ تھا کسی وزیر کے دور میں اس قدر ظلم اور تباہی نہ پھیلی تھی جتنی کہ اب ہے اگرچہ آپ اس کو دل سے ناپسند سمجھتے ہیں لیکن حدیث میں اس طرح وارد ہوا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ظالموں سے قیامت کے دن بازپرس کرے گا تو ان کے متعلقین سے بھی اس ظلم کا مواخذہ کرے گا، آپ کو بخوبی معلوم ہونا

چاہیئے کہ کسی کو آپ کا غم نہیں اس لئے آپ اپنی فکر کریں اور تمام لوگوں سے کنارہ کش ہو کر دین دنیا کی سعادت خود بخود حاصل کریں اگر آج یہ آپ کو میسر نہیں اور دنیا کی سلامتی فوت ہو گئی ہے تو اپنا تمام تر نصب العین زاد آخرت کی تیاری میں صرف کر دیجیئے اور ظالموں کے ظلم کو دفع کرنے سے بڑھ کر کوئی زاد راہ نہیں جہاں تک ہو سکے آپ بالخصوص یہاں کے آس پاس کے خطہ کے ظلم کی بیخ کنی کی کوشش کیجئے جہاں ان کی ہڈیوں تک ظالموں کے جور و ستم کی کوئی حد نہ رہی رعایا سے دگنی رقم حاصل کرتے ہیں، اور یہ رقم بادشاہ تک نہیں پہونچتی بلکہ کمزوروں اور ناتوانوں سے حاصل کر کے ظالم خود غبن کر جاتے ہیں کوئی شخص ظالموں کے ظلم و جور کے خوف سے داد خواہی اور ظلم کا تدارک نہیں کر سکتا اب تو گذشتہ کی تلافی کی امید بیکار ہے لیکن مجیر الدولہ کی شفقت و عاطفت سے امید کا رشتہ جدا نہیں ہوا ہے کہ مستقبل میں اس بلا کو روندنے اور ظلم و ستم کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے پوری کوشش کی جائے اور ایک فرمان اپنی طرف سے نافذ کرے جس سے ملک والوں کی امداد و استعانت ممکن ہو کیونکہ ان ہی مسلمانوں کی دعاؤں سے قلمدانِ وزارت آفاتِ روزگار سے مصئون و محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ وزیر محترم کی مدد کرے اور ان کو دین دنیا کی سعادت کے حصول کی طرف رہنمائی کرے اور ان پر اپنے فضل و احسان کی بارش برسائے۔ والسلام

تیسرا باب

امراء و ارکان دولت کے نام خطوط

پہلا خط معین الملک کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

تلک الدار الاٰخرۃ نجعلها للذین لا یریدون علوًّا فی الارض ولا فسادًا والعاقبة للمتقین

یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے مقرر کرتے ہیں جو نہ زمین میں تکبر چاہتے ہیں اور نہ فساد اور انجام نیک پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔

آخرت کی نجات دو چیز دل سے وابستہ ہے ایک سربلندی کے طلب سے اور دوسرے فساد سے دور رہنا جو شخص ملک گیری کی

آرزو رکھتا ہے اُس کی بلند ہمتی اور عالی حوصلگی ظاہر ہے اور جو شخص نادانوں اور بے خبروں کی طرح لہو ولعب میں مشغول رہتا ہے فسادی سے نامزد کیا جاتا ہے، نجات کی شرط کو پورا کئے بغیر نجات کی امید رکھنا عین دھوکا ہے اور ان دونوں چیزوں کو نجات کی شرط قرار دینے سے انکار کرنا قرآن کی تکذیب کرنا ہے آخرت سے دل نہ باندھنا اور بدبختی پر راضی ہو جانا عقلمندوں کا شیوہ نہیں، لیکن جو شخص ان دونوں شرطوں پر کاربند ہو اور لہو لعب میں نجات کی طمع رکھتا ہو تو وہ یا یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ رحیم و کریم ہے اور اسے بخش دے گا لیکن اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا یہ قول نیکوں کے حق میں ہے اور وہ ٹھیک کہتا ہے کیونکہ ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم یعنی بے شک نیک لوگ جنت میں ہیں اور بدبخت وگنہگار دوزخ میں یا وہ کہتا ہے کہ میں کل توبہ کرلوں اور اسے معلوم ہے کہ شیطان کئی سال سے اس کو فردا کا فریب دے کر توبہ سے باز رکھے ہوئے ہے لامحالہ دوسرے چند سال فریب وعدہ میں گذر جائیں گے، یا وہ شخص یہ جانتا ہے کہ موت کے لئے بہت مدت باقی ہے یا وہ فرشتۂ اجل سے عہد و پیمان باندھ چکا ہے اور اسے نہیں معلوم کہ شیطان نے وعدۂ فردا کا فریب دے کر کتنے خرمن کو تباہ کر ڈالا ہے، آخری عمر میں اس قسم کے خطرے مول لینے کا سبب سوائے تغافل کینتی و آسودگی کے اور کچھ نہیں جو تمام بدبختوں کا سرمایہ ہے

أفامن اهل القرىٰ ان كيا گاؤں والے اس سے بےخوف

یاتیھم باسنا بیاتا وھم	ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب ان کو راتوں
نائمون او امن اھل القریٰ	رات آئے اور وہ سوتے کے سوتے
ان یاتیھم باسنا ضحی وھم	رہیں یا گاؤں والے اس سے مطمئن
یلعبون افامنوا مکر اللہ فلا	ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب ان کو دن
یامن مکر اللہ الا القوم	دہاڑے آئے اور وہ کھیل کود رہے
الخاسرون ۔	ہوں کیا وہ خدا کے بدلہ لینے سے مطمئن ہو گئے

ہیں حالانکہ خدا کے عذاب سے سوائے نقصان اٹھانے والوں کے کوئی مطمئن نہیں ہوا کرتا

اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام کو خواب غفلت سے بیدار کرے اور بالخصوص جناب موید الدین کو تنبیہ لطیف فرمائے کیوں کہ اس کے ایک دوست نے ان دنوں میں اس کے حق میں میرے روبرو چند ایسے واقعات و حالات بیان کئے جو آخرت کے معاملہ میں عظیم الشان خطرہ کا باعث تھے میں اس سلسلہ میں دل سے بے حد متفکر ہو گیا میرے اختیار میں تو صرف یہی ہے کہ دل سے دعا کر دوں، زبان سے تنبیہ اور قلم سے پند و نصیحت، اگر آپ مجھے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ پر ترس کھاؤں اگرچہ آپ اپنے اوپر ترس نہیں کھاتے ہیں تو میں آپکو ایک حکم دیتا ہوں کہ اگر آپ ظالموں کے عمل سے علیحدہ نہیں ہو سکتے تیں تو شراب نوشی سے باز رہیں کیوں کہ گناہ کا رشتہ جب ظلم کے ساتھ دوہرا ہو جاتا اور باہم پیوستہ تو موت سے پہلے اس کو توڑنا دشوار ہو جاتا ہے بڑھاپے میں شراب نوشی ہرگز لائق نہیں، نظام الملک جب بوڑھے ہو گئے

تو بڑے بڑے گناہوں سے توبہ کرلی اور فسق و فجور اور شراب نوشی چھوڑ دی، آخری عمر تک اس توبہ پر ثابت قدم رہے، وہ کہا کرتے تھے کہ اگر شاہ خراسان اس سے باز نہ آئے تو یہ عذر زمین و آسمان کے بادشاہ کے پاس قبول نہ ہوگا چوں کہ وہ عہد صادق کر چکے تھے اس لئے اس کے امیدوار تھے کہ ان کے ذریعہ سے شاہ مشرق توبہ کرلے گا جو کچھ دوستی کا تقاضا تھا میں نے ادا کر دیا۔

والسلام

دوسرا خط

سعادت خاں کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وان من شیئ الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم

یعنی اور ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے جسکے خزانے کے خزانے ہمارے پاس نہوں اور ہم اسکو مقررہ اندازے سے نازل کرتے رہتے ہیں

تمام بادشاہوں کے خزانے محدود و معدود ہیں لیکن اس ملک الملوک کے خزانے بے پناہ اور لامحدود ہیں اس ملک الملوک کا ایک

خزانہ سعادت ہے اور دوسرا شقاوت و بدبختی اور یہ دونوں خزانے پردۂ غیب میں مستور ہیں۔ ان دونوں کے لئے دو کنجیاں ہیں ایک کنجی کا نام طاعت ہے اور دوسری کا نام معصیت، یہ دونوں کنجیاں علاّم الغیوب کے دو خزانوں میں رکھی ہوئی ہیں ایک کا نام توفیق ہے اور دوسرے کا نام محرومی کامیابی و محرومی کا جوہر غیب کے دوسرے خزانوں میں پوشیدہ ہے ایک کو رضا و تسلیم کہتے ہیں اور دوسرے کو غضب و ناراضگی، اس رضا و غضب کا جوہر دو خزانوں کے اندر محفوظ ہے جہاں تک بلند پایہ صدیقوں اور راسخ علماء کے سوائے عوام کے توہمات اور خواص کے اذہان و عقول پہونچنے سے قاصر ہیں نہ عبارت آرائی کو اس میں دخل ہے اور نہ علماء، صدیقین کے استنباط و استدلال کو کوئی گنجائش کیوں کہ ان کی تعبیر بھی اس سے قاصر ہے ان ہی اشخاص سے اس کی توجیہہ ہوسکتی ہے جن کی صفت یہ ہے کہ ان الذین سبقت لہم منا الحسنیٰ یعنی وہ لوگ جن کے حق میں ہماری طرف سے نیکی پہلے ہی سے طے ہوچکی ہے، دوسرے ان لوگوں سے اس خزانہ کی تعبیر ہوسکتی ہے جن کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔ لقد حق القول علی اکثرھم یعنی ان میں سے اکثر و بیشتر پر مژدۂ خدا یقیناً پورا ہوگیا۔ ان دونوں آیتوں میں جو راز پوشیدہ ہے وہ قضا و قدر کے عجائبات میں سے ہے معراج راز یہی ہے کہ گونگے اور بہرے رہو اور زبان کی نگہداشت کرو کیوں کہ تقدیر اللہ کا ایک راز ہے تو اس کا افشا نہ کرو اس

سربستہ رازوں اور محفوظ و پوشیدہ خزانوں کے ماوراء ایک راز اور خزانہ ہے جو ان تمام خزانوں کا سرچشمہ ہے جن کے بیان کرنے کے لئے الفاظ کی جولان گاہ تنگ ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقامات پر درجہ بدرجہ اس طرح ترقی کی ہے چنانچہ پہلے فرمایا اعوذ بعفوک من عقابک میں تیرے عفو کے ذریعہ تیرے عذاب کی پناہ مانگتا ہوں اس کے بعد فرمایا اعوذ برضاک من سخطک میں تیری رضا سے تیرے غضب سے پناہ مانگتا ہوں اس سے ترقی کرکے فرمایا اعوذ بک منک میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں پھر اس سے بھی آگے ترقی کرنا چاہا اور فرمایا لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک میں تیری تعریف بیان نہیں کرسکتا تو ویسے ہی ہے جیسے کہ تو نے اپنے آپ ستائش کی ہے۔

اعوذ برضاک من سخطک یہ علماء کا مقام ہے اسی حد تک وہ ترقی کرسکتے ہیں اور اعوذ بک منک کے مقام تک بجز انبیاءؑ کے کسی اور کی رسائی نہیں ہوسکتی اس عالم کے ماوراء ایک مقام ہے جہاں نہ انبیا کی کوئی راہ ہے اور نہ علماء کو کچھ دخل جب تمام صدیقین اور انبیا اس مقام پر پہنچیں تو ان کو بجز دہشت و حیرت کچھ حاصل نہ ہوگا سب کے تمام عجز و ذلت کی آگ سے پگھل جائیں گے اور آتش عشق و شوق میں جلتے رہیں گے اور سبوحٌ قدوسٌ کا نعرہ ان کی زبان پر

جاری ہوگا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عجز و کوتاہی کا ماتم اس طرح فرماتے ہیں لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت اور سید الصدیق اندوہ عجز اور شادی دولت کو ہم کردیتے اور دولت کی مناد اور اپنا ماتم ان الفاظ میں کرتے ہیں العجز عن درك الادراك ادراك ادراك تک پہونچنے سے کوتاہی ادراک ہے، کبھی ماتم عجز میں پگھلتے ہیں اور کبھی اس خوشی میں کہ یہ عجز تمام تر ادراک ہے چمک اٹھتے ہیں یہ ہے ملک الملک کے خزانوں کا حال اور یہ ہیں ان خزانوں کے روح پرور نظارے باقی رہے سونے اور چاندی کے ڈھیر جو دنیا کے بادشاہوں کے خزانوں میں ہوتے ہیں وہ محض دوزخ کی کنجی ہیں، تعس عبد الدنیا وتعس عبد الدرھم دینار و درہم کو پوجنے والے ہلاک ہوجائیں قیامت کے دن منادی کی جائے گی " کلید دوزخ کے خزانہ کا دفتر کھولیں اور ان کے اندر جو نام ہیں ان کو بارگاہ عدالت میں پیش کریں اگر اس جریدہ میں سعادت خاں کا نام نکل آئے تو بے چارہ سعادت خاں کو نہ تو شاہ مشرق فریادرسی کرے گا اور نہ وزیر مشرق اس کی کوئی امداد کرسکے گا کیوں کہ ان کو ہزاروں خود دستگیروں کی ضرورت ہوگی۔

تیسرا خط

ایک امیر کبیر کے نام احسان و صدقہ کے معانی کی توضیح اور اسکے طریق کار کی تشریح کے باب میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اطباء کی حیرت و درماندگی اور ان کی کوتاہی کی وجہ سے جو شکایت و تکالیف ہیں ان کی وجہ سے دل حد درجہ متفکر ہے در حقیقت یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ جس ہستی نے بیماری پیدا کی ہے۔ اس کی دوا بھی پیدا کی ہے لیکن لوگ تو یہ جانتے ہیں کہ طبیب کے نسخہ کے مطابق اور کسی دوا فروش کی دوکان سے لائی جائے اور استعمال کرلی جائے تو علاج مرض کے لئے کافی ہے، حالانکہ یہ غلطی ہے اکثر اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ مریض کے دل میں طبیب کو اختیار کرنے کا الہام ہو اور اس وقت طبیب کو یہ الہام ہو کہ دوا بہتر سے بہتر انتخاب کی جائے تاکہ اس کا خیال دوا کی نوعیت و خاصیت اس کی مقدار و کمیت اور اس کے

استعمال کے وقت وغیرہ میں ٹھیک طور پر کام کرے کیوں کہ ان تینوں امور میں غلطی کا شبہ بہ نسبت صحت و درستگی کے بہت زیادہ ہوتا ہے، جن دواؤں کے بارے میں مریض اور طبیب دونوں کو الہام ہوتا ہے وہ دوائیں کسی دوا فروش کی دوکان میں نہیں ملے گی کیوں کہ ان کی کنجی مملکت آسمان میں ملائکہ کے خزانہ میں رکھی ہوئی ہے مخلوق کو اپنے درست کاموں کے متعلق جس قسم کی ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے وہ فرشتوں کے خزانہ سے پوری کی جاتی ہے۔

وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنه ما یشاء انه علی حکیم

اور کسی بشر کی یہ منزلت نہیں ہے کہ اللہ اس سے بات کرے سوائے اسکے کہ وحی کے ذریعہ سے ہو یا پس پردہ سے یا کسی رسول کو بھیج دے پھر جو چاہے اپنے حکم سے اس کو وحی پہونچائے بیشک جو چاہے مرتبہ اور حکمت والا ہے۔"

اس الہام کو صرف اہل دین کی دعا و ہمت کے وسیلہ ہی سے خریدا جاسکتا ہے کیوں کہ جن چیزوں میں ان کی ہمتیں اور ان کے ارادے مبذول ہوتے ہیں ان کے اسباب فرشتوں کی جانب سے صادر ہوتے ہیں۔ وان من شیء الا عندنا خزائنه وما ننزله الا بقدر معلوم (ترجمہ) اور ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کے خزانے (کے خزانے) ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم اس کو مقررہ اندازے سے نازل کرتے رہتے ہیں۔ اہل دین کی ہمتوں کو بجز احسان و صدقہ کے تحریک نہیں سے

سکتے بنابریں صدقات ہمتوں کو تحریک دینے اور ارادوں کو اجاگر کرنے کا سبب ہیں نیز یہ تحریک خزائن ملکوت سے مریض و طبیب کے دل پر فیضان ہدایت کا موجب ہوتی ہے اور ان لوگوں کی ہدایت صحیح قانون پر دوار کے استعمال کا سبب بنتی ہے اور وہ دوا کا استعمال شفا کا موجب ہوتا ہے یہی راز ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا "تم اپنے امراض کو صدقہ کے ذریعہ دفع کیا کرو۔"

لیکن وہ کونسا سبب ہے جس سے اہل دین کے ارواح و ہمم کی حرکت فرشتوں کی روحانیت کو فیضان ہدایت کے لئے تحریک دے سکے وہ سبب ارواح اور روحانیت کے مابین ایک ایسی مناسبت ہے جس کی سیرابی اس سمندر سے ہوتی رہے کہ:۔

یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی — یعنی لوگ تجھ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہدے کہ روح میرے پروردگار کا ایک حکم ہے

یہ مسئلہ نہایت عمیق و بے پایاں ہے اس راز کے افشار کی اجازت نہیں ہے صرف اس قدر معلوم کر لینا کافی ہے کہ ارواح اور روحانیت اس حیثیت سے ایک دوسرے کے متناسب اور ہم آہنگ ہیں کہ یہ تمام امور ربانی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل الروح من امر ربی اور دوسری جگہ ارشاد ہوا واللہ الخلق والامر اور عالم امر عالم خلق سے جدا ہے کسی ذریعہ سے کوئی بھی محقق ایسا نہیں جو اس سربستہ راز کو علم و تحقیق کے ذریعہ طلب کرے یا یہ جانتا ہو کہ یہ امور تحقیق و طلب سے متعلق ہیں

اس بیان سے یہ مقصد ہے کہ شفا کا تعلق صدقہ کے ذریعہ دعا سے کس قدر ہے وہ معلوم ہو جائے اس لئے کہا گیا ہے الدعاء یرد البلاء یعنی دعا مصیبت و بلا کو دور کر دیتی ہے اور ایک حدیث میں وارد ہے الدعا و البلاء یتعالجان، دعا اور بلا دونوں باہمی کشمکش کرتے ہیں ارادے اور دعائیں جب ایک جماعتی شکل میں صادر ہوتی ہیں تو اکثر اوقات کامیاب ہوتی ہیں، نمازِ استسقا اور اجتماعی نمازوں یعنی نماز باجماعت کا فلسفہ بھی یہی ہے۔

ہمارے اوپر کے بیان پر ایک ماہر طبیعیات یہ جو اعتراض کرتا ہے کہ جو بیماری حرارت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس کو زایل کرنے کے لئے برودت کی ضرورت ہے لیکن صدقہ کا اس سے کیا تعلق ہے اس کا یہ قول آدھا درست ہے یہی وجہ ہے کہ طبیب کی صحت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے، لیکن ماہر طبیعیات کی تیز نظر طبیعت پر موقوف ہے لیکن طبیعت اور مستقل طبیعت جس ہستی کے مسخر اور آلہ کار ہیں اس کی حقیقت کا ادراک کرنے سے ایک طبیب کی بصارت اور تیز نگہی قاصر ہے اس کی مثال اس چیونٹی کی مانند ہے جو کاغذ پر دیکھتی ہے کہ قلم کی حرکت سے اس پر ایک لکیر پڑتی جاتی ہے اور سمجھتی ہے کہ لکیر کا سبب قلم ہے اس کا یہ سمجھنا ایک حد تک درست ہے کیوں کہ اس کی نظر کاتب کے ہاتھ کو دیکھنے سے قاصر ہے، نیز قلم کی بصیرت کاتب کے دل کو دیکھنے سے قاصر ہے جو درحقیقت دست کاتب کا محرک ہے وہ کسی طرح نہیں جانتا کہ

دل کو کس طرح شکار کیا جائے تاکہ وہ اپنے مقصد کے مطابق کام کرتا ہو، اس مثال میں طبیعت قلم ہے فرشتے انگلیاں اور ملک اعظم جس کے تابع تمام ملائکہ ہیں ہاتھ اور صاحب دست کی طرح ہے، اور قلم پھر انگلیاں بعد کی چیزیں ہیں اور ملک اعظم ہی جبروت و ملکوت میں یکتا و تنہا ہے "وانما قلوب المؤمنین بین اصبعین من اصابع الرحمٰن مومنوں کے دل تو اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں" آدم کی صورت حضرت حق جل مجدہ کی صورت کی طرح ہے

کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" جس نے اپنے نفس کو پہچانا وہ اپنے پروردگار کو بھی پہچان گیا چنانچہ دل ہاتھ اور انگلیاں قلم کے اوپر ہیں اور تمام اسباب آفرینش طبیعت پر اور طبیعت اسفل السافلین میں ہے، ناقدانہ بصیرت کا فرض ہے کہ وہ پست درجہ سے بلند درجہ پر آئے اگرچہ قدرت نے دراصل انسان کو عالم روحانیات سے پیدا کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

ہم نے انسان کو بہت ہی اچھی شکل و صورت میں بنایا پھر ہم نے اسے پست سے پست حالت کی طرف پھیر دیا۔

لیکن تمام مخلوق کی نظر طبیعیات و جسمانیات پر محدود و محصور ہے اس لئے اپنے تمام علاجوں میں عالم روحانیات سے تائید حاصل کرتی

یہ عالم روحانیات جہاں بلند ہے اس عالم تک پہونچنے کے لئے طائر لاہوتی وملکوتی کے مال وجاہ کے پر پرواز نہیں بلکہ ہمت ودعا کے بازوؤں کی ضرورت ہے الیہ یصعد الکلم الطیب اسی کی طرف پاک کلمے صعود کرتے ہیں" ان دعاؤں کو بلند کرنے اور اوپر اٹھانے کے لئے عمل باخلاص کی ضرورت ہے العمل الصالح یرفعہ عمل صالح اس کو بلند و برتر کردیتا ہے بے نمازوں اور گداؤں کو محل کے دروازے پر جمع کرنے اور ان کو روٹی اور گوشت تقسیم کرنے سے یہ بلندی و برتری حاصل نہیں ہوسکتی کیوں کہ اہل غرض کی حاجتوں اور خواہشات کو بھڑکانا ہے بلکہ یہ صدقہ خیرات اہل دین کے لئے سزاوار ہے تاکہ وہ اپنی عزیز ترین چیز کو اپنے دل میں رکھتے اور ہرگز اپنے سے جدا نہیں کرتے ہیں ہوا وہوس نفس اور شیطان کے قبضے سے بچا کر بھیجیں اور اپنے ساتھ لٹائیں بعض ایسے اشخاص کو خیرات دی جائے جن کی دینی قدر وقیمت سے لوگ واقف ہوں اور پانچ اہل صلاح اشخاص کو حکم دیا جائے کہ وہ صدقہ خیرات کو پوشیدہ پاکباز اور بال بچے والے محتاج درویشوں تک پہونچائیں اور ان کی دعاؤں سے امداد طلب کریں تاکہ صحیح طریقہ سے ظاہری و باطنی علاج کے لئے الہام اور تائیدات آسمانی کے ذریعہ طبیب کو حاصل کریں کیوں کہ مشکل علاج اور حیران و سراسیمہ طبیب کا سوائے اس کے کوئی علاج نہیں اور جاہل طبیبوں کے قول پر اعتماد کرنا جائز نہیں بلکہ حاذق طبیب پر بھروسہ کرنا چاہیئے تاکہ وہ بیماری اور

علاج کی مناسبت سے نسخہ تجویز کرے۔ صرف یہی ایک صورت ہے جس پر ہم کسی طبیب کے مشورہ اور اس کی تجویز پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ والسلام

چوتھا خط

جملہ اعیان و ارکانِ حکومت کے نام

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔

پس جس شخص نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لیگا اور جس نے ذرہ بھر بدی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔"

انسان کا کردار، گفتار اور اس کی خاموشی اور اس کی بخشش و بخل یا تو ایک گنج سعادت ہے جو اپنے پاس رکھتا ہے یا بدبختی کے بیج ہیں جو پراگندہ کر رہا ہے، اور وہ تو اپنے عمل و کردار سے غافل ہے لیکن مقرر کردہ اور نگران کار فرشتے ذرہ ذرہ کو ضبط کرتے اور اس کی نگہداشت کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ بندوں کی تمام حرکات سکنات

کو شمار کر رہا ہے اور یہ اس کو فراموش کر رہے ہیں، جب انسان اس دنیا سے باہر ہو جائے گا تو ایک ہی لمحہ میں اس کی عمر کے اولین حصہ سے اسکے آخری حصہ تک کا جریدۂ اعمال اس کے سامنے کھول کر پیش کر دیا جائیگا۔

يوم تجد كل نفسٍ ما عملت من خير محضرا وما عملت من سوءٍ تود لو ان بينها وبينه امدا بعيدا

اس دن ہر نفس اس کی نیکی کو جو وہ کر چکا ہے اور اس بدی کو جو وہ کر چکا ہے موجود پائیگا اور خواہش کرے گا کہ کاش خود اس کے اور اس دن کے مابین ایک مدت طول وطویل حائل ہو جاتی۔"

اس کے بعد ذرات خیر کو ایک بازو میں رکھیں گے اور ذرات شر کو دوسرے بازو میں پھر ان کا وزن کیا جائیگا اور ایسے وقت قیامت کے حساب وکتاب کے اس ہولناک منظر کو دیکھ کر تمام عقلیں حیران ومدہوش ہو جائیں گی اور تمام کی جانیں خطرہ میں پڑ جائیں گی کونسا بازو اُن کا جھکے گا۔

فاما من ثقلت موازينه فهو في عيشة راضية واما من خفت موازينه فامه هاوية وما ادراك ماهيه نار حامية

پس جس کے اعمال نیک کی تول بھاری اترے گی وہ تو خاطر خواہ عیش میں ہوگا اور جسکے اعمال (نیک) کی تول کم اترے گی تو اسکا ٹھکانا ہاویہ ہوگا اور تم کیا سمجھے کہ ہاویہ کیا ہے؟ دہکتی ہوئی آگ ہے۔

مالداروں کا حال خرچ کرنے میں ایسا ہی ہوگا، کیوں کہ وہ جو کچھ خواہشات نفسانی کی پیروی میں خرچ کریں گے وہ برائیوں کے پلڑے میں ہوگا۔

اور جو کچھ خدائے تعالیٰ کی اطاعتوں اور اس کے احکام کے مطابق خرچ کریں گے وہ بھلائیوں کے پلڑے میں ہوگا اگر اپنا بیشتر مال کسی نے خیرات کر دیا تو بالکلیہ نجات پائے گا۔ اسی طرح ابوبکر صدیق نے اس خطرہ سے نجات پائی کہ اپنا تمام مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاکر حاضر کردیا جب آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اپنے بال بچوں کے لئے تونے کیا چھوڑا تو صدیق اکبر نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں، اس کی وجہ یہ پیش آئی کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مالدار ہلاک ہوگئے مگر وہ شخص ہلاکت سے بچ رہا جو اپنے دائیں اور بائیں آگے اور پیچھے بھلائیوں میں اپنا مال نچھاور کرتا رہا چونکہ انسان کی طبیعت کو بخل محبوب ہے وہ اپنا مال کسی طرح خرچ کرنے کا روادار نہیں ہوتا اس لئے اس کو چاہئے کہ پہلے جو وہ مال خرچ کرے مستحق لوگوں کو دے تاکہ اس کا ثواب اسے دگنا ملے قیامت کے دن ایک درہم کا ثواب ہزار درہم سے بڑھ چڑھ کر ہوگا اس قسم کا مال اگر اہل دین اور گروہ علماء کو پہونچے تو حلال کمائی سے ہو، بے منت پہونچے گا اور خوش دلی کا باعث ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لاتبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی "تم اپنے صدقات کو احسان جتانے سے اور ایذا دینے سے باطل نہ کرو"۔ والسلام

پانچواں خط

مغرب اقصیٰ کے قاضیوں کے نام

جس زمانے میں حجۃ الاسلام مدرسۂ نظامیہ بغداد میں مدرس تھے مروان اپنے باپ کی طرف سے عہدۂ قضا کی تولیت کیلئے الخلافت سے ایک فرمان حاصل کرنے کے ارادہ سے بغداد آئے تھے اور حجۃ الاسلام کی سفارش طلب کی تھی آپ نے خلیفہ مستظہر باللہ سے ان کو عہدۂ قضا تفویض کرنیکی سفارش کردی خلیفہ نے کہا جب تک میں کسی شخص کو نہ جان لوں اور اس کے حالات سے واقف نہ ہو جاؤں عہدۂ قضا پر اسکو فائز نہیں کر سکتا، لیکن حجۃ الاسلام کے التماس کی بنا پر عہدۂ قضا اسکے باپ کو تفویض کیا جاتا ہے جو حاضر ہے، قاضی مروان نے یہ حق باپ کو ادا کردیا اور حجۃ الاسلام سے خواہش کی کہ ان کے باپ کو تفصیلی حالات لکھے حجۃ الاسلام نے کہا اگر میں حقیقت حال لکھتا ہوں تو دار الخلافہ میں لوگ میری غمازی کریں گے اس لئے میں ایک عام خط لکھے دیتا ہوں اور

کنایۃً اس مطلب کو بھی ظاہر کردوں گا۔ اس کے بعد یہ خط لکھا اور قاضی مردان کے ہاتھ سے یہ خط روانہ کیا چوں کہ مکتوب الیہ کو پہلے ہی سے ایک خط پہونچ چکا تھا اور وہ حقیقت حال سے مطلع ہو چکا تھا اس لئے اس خط کو پہونچنے کے بعد اس نے کہا خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ عہدہ قضا میرے حوالہ نہ کیا گیا اس لئے حجۃ الاسلام نے یہ خط مجھے نہیں لکھا"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین ولا عدوان الا علی الظٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وآلہ اجمعین میرے اور جلیل القدر سردار معتمد الملک وامین الدولہ کے درمیان قاضیٔ اجل امام مردان کے طفیل محبت ومودت اور حسن اعتقاد پیدا ہو گیا ہے جو رشتہ دارانہ تعلقات کے قایم مقام ہے اور یہ اس امر کا مقتضی ہے کہ دونوں طرف سے ہمیشہ مراسلت اور روابط کے مراسم جاری رہیں اس دوستی کو ایک اونچی نصیحت کے ذریعہ پیوست کرتا ہوں اور یہ علماء کا ہدیہ ہے، یہ ایک گراں قدر تحفہ ہے جس کا قبول کرنا اور دنیا کی تاریکیوں سے اپنے دل کو خالی کر کے گوش ہوش کے ساتھ اسکو سننا

ضروری ہے۔ میں تمہیں اس امر سے آگاہ کرتا ہوں کہ ارباب قلوب کے نزدیک جب مختلف گروہ میں رنگ و بو کا امتیاز کیا جائے تو تم صرف بزرگ و عقلمند لوگوں کے زمرہ میں رہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے بزرگ اور بہتر کون ہیں، آپ نے فرمایا جو سب میں زیادہ پرہیزگار ہوں، پوچھا گیا۔ زیادہ دانا اور عقلمند کون ہے فرمایا جو ان سب میں زیادہ موت کو یاد کرنے والا اور ان سب میں زیادہ اس کی استعداد رکھنے والا ہو ایک اور حدیث میں آپ نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ عقلمند و زیرک وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اپنے قابو میں رکھا اور نادان وہ ہے جس نے اپنے نفسانی خواہشات کی پیروی کی۔

لوگوں میں سب سے زیادہ غبی اور جاہل وہ ہے جو اپنے ان دنیوی کاموں میں مصروف و مشغول رہے اور ان کو اہم سمجھے جو موت کے وقت اس کو حقیر دکھائی دیں اسے اس بات کا کچھ بھی خیال نہیں ہوتا کہ وہ جنت والوں میں سے ہوگا یا دوزخ والوں میں سے حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت سے روشناس کرایا ہے چنانچہ فرمایا ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم یعنی نیک لوگ جنت میں ہوں گے اور بدکار دوزخ میں" دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

فاما من طغیٰ و آثر الحیوة	لیکن جس شخص نے سرکشی کی اور دنیوی
الدنیا فان الجحیم ھی الماویٰ	زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دی تو دوزخ
واما من خاف مقام ربہ	ہی اسکا ٹھکانہ ہے لیکن جو شخص اپنے پروردگار

ونهى النفس عن الهوى فان الجنة هى الماوى

کے مقام سے ڈرا اور نفس کو خواہشات سے باز رکھا تو جنت ہی اس کا مسکن ہوگا۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔

من كان يريد الحيوة الدنيا وزينتها نوف اليهم اعمالهم فيها وهم فيها لا يبخسون اولئك الذين ليس لهم فى الاخرة الا النار وحبط ما صنعو فيها باطل ما كانو يعملون

جو شخص زندگانی دنیا اور رونق دنیا کا خواستگار ہوگا ہم اسی دنیا میں ایسوں کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے اور انکو دنیا میں کچھ نقصان نہ دیا جائیگا۔ وہ وہی لوگ ہیں جنکے لئے آخرت میں سوائے جہنم کے اور کچھ نہیں اور دنیا میں جو کچھ انہوں نے کیا ہوگا وہ سب مٹ جائیگا اور جو کچھ وہ کیا کرتے تھے وہ سب باطل ہو جائے گا۔

میں چاہتا ہوں کہ تم اس پر اپنی توجہ کرو اپنے نفس کا جائزہ لو قبل اس کے کہ اس کا جائزہ لیا جائے تم اپنے ظاہر و باطن پر اور اپنے قصد و ارادہ پر نظر رکھو اپنے اقوال و افعال اور حرکات و سکنات کا مطالعہ کرو کہ کیا وہ اللہ کے قریب کرنے والی چیزوں پر موقوف ہیں اور تم ابدی سعادت کی منزل تک پہنچاتے ہیں یا وہ تمہارے رخ کو ایسے امور کی طرف پھیرنے والے ہیں جن سے تم اپنی دنیا آباد کرو، اور تم دنیا کمانے کے لئے کدورتوں اور کثافتوں کے شائبوں میں چور چور ہو جاؤ اور آلام و مصائب میں مبتلا اور مشکلات و بلیات میں پھنس جاؤ، پھر اس

کے بعد تمہیں شقاوت اور بدبختی آگھیرے (نعوذ باللہ من ذالک) اس لئے تم اپنی بصیرت کی آنکھیں وا کرو مستقبل کی فکر کرو، اپنے نفس کا جائزہ لو کہ اس نے فردا کے لئے کیا اٹھا رکھا ہے اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ سوائے اپنے نفس کے اور کوئی اپنا مشفق اور نگہبان نہیں، پھر تم غور کرو کہ تم کس چیز کے درپے ہو اگر کوئی جاگیر بسانے میں مصروف ہو تو دیکھو کہ کم من قریۃ اھلکناھا "کتنی بستیاں ہم اجاڑ چکے ہیں پھر ان کا نام و نشان تک صفحۂ ہستی پر باقی نہ رہا اگر تم کنوئیں کھودنے اور نہریں بنانے پر آمادہ ہو تو غور کرو کہ کتنے کنوئیں جاری ہونے کے بعد بیکار ہو گئے اگر تم کوئی عمارت بنانے کا ارادہ کرتے ہو تو سوچو کہ کتنے مضبوط استوار اور پائدار محل آباد ہونے کے بعد کھنڈر بن گئے اگر تم باغ آراستہ کرنے اور چمن سجانے کے شیدا ہو تو سنو

کم ترکوا من جنات و عیون و زروع و مقام کریم و نعمۃ کانوا فیھا فاکھین کذلك واورثناھا قوما اخرین فما بکت علیھم السماء والارض وما کانوا منظرین

کتنے باغات اور چشمے اور کھیتیاں اور اچھے اچھے مکان اور نعمتیں جن کا وہ لطف اٹھایا کرتے تھے چھوڑ گئے ایسا ہی ہوا کرتا ہے اور ہم نے ان چیزوں کا وارث دوسرے لوگوں کو کردیا پس نہ ان پر آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ ان کو ڈھیل دی گئی۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھو۔

افرءیت ان متعناهم سنین — کیا تم نے غور کیا کہ اگر ہم ان کو کچھ
ثم جاءهم ما کانوا — برسوں تک فائدہ پہونچا دیں پھر بھی
یوعدون ما اغنی عنهم — ان پر وہ آئے گا جس کا ان سے وعدہ
ما کانوا یمتعون — کیا گیا ہے (اور) جن چیزوں سے
یہ نفع اٹھا چکے ہیں وہ ان کو کچھ فائدہ نہ دیں گی۔

اگر تم العیاذ باللہ بادشاہ کی خدمت کا شوق رکھتے ہو تو یہ حدیث پڑھو جس میں وارد ہے کہ "امراء و روسا قیامت کے دن چیونٹیوں کی شکل میں لوگوں کے پاؤں تلے اٹھائے جائیں گے جن کو وہ اپنے قدموں تلے روندیں گے"۔ اگر تمہاری اس سے بھی تشفی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے فی کل متکبر جبار کے سلسلہ میں جو بیان کیا ہے اس کو پڑھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگ ایسے شخص پر اس کی زندگی ہی میں روئے یعنی اس نے ان کے درمیان سرداری کی خواہش کی اور تکبر جتایا، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "دو بھیڑیئے جو بکریوں کے گلہ میں بھیجے جاتے ہیں وہ اتنا نقصان نہیں پہونچاتے جس قدر کہ مسلمان شخص کے دین میں جاہ و مال کی محبت سے ہوتا ہے" اگر یہ قول بھی ناکافی ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول میں غور کرو "اے حواریوں کی جماعت! تونگری دنیا میں مسرت کا موجب اور آخرت میں مضرت کا باعث ہے، بخدا میں کہتا ہوں کہ مالدار آسمانی مملکت میں داخل نہیں ہوں گے۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "دنیا

کے روز مالدار چار گروہوں میں اٹھیں گے ایک وہ شخص جس نے حلال کمائی سے مال جمع کیا اور اس کو حلال کاموں میں خرچ کیا، اللہ تعالیٰ فرمائیگا اس سے سوال کرو شاید اس نے اپنی تونگری کی بنا پر ہمارے کئے ہوئے کاموں کے علاوہ کسی اور کام میں اپنی دولت صرف کردی ہے، اور نمازمیں یا وضو میں یا رکوع وسجود یا خشوع وخضوع میں کمی کردی ہو یا زکوٰۃ اور حج کا کوئی حصہ دگوشہ ضائع کردیا ہو، وہ شخص کہے گا میں نے حلال کمائی سے مال جمع کیا اور حدود فرائض میں سے کوئی پہلو مجھ سے فروگذاشت نہ ہوا بلکہ میں نے تمام حدود فرائض اور احکام انجام دے دیئے ہیں، پھر اس سے پوچھا جائے گا شاید تو نے صلہ رحمی حقوق ہمسایہ ومساکین میں جس کا ہم نے حکم دیا تھا کمی کردی ہو اور تقدیم وتاخیر اور کمی وبیشی کردی ہو، یہ تمام لوگ اس کے اردگرد رہیں گے اور کہیں گے اے پروردگار! تو نے اس کو ہمارے درمیان تونگر بنایا تھا اور ہم تمام کو اس کا محتاج گردانا تھا لیکن اس نے ہمارے حق میں کمی کردی اگر یہ کمی ظاہر ہوگی تو اس کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا ورنہ اس سے کہا جائے گا ٹھہر جا اس وقت لپنے ہر لقمہ کا اپنے ہر گھونٹ کا اپنے ہر ذائقہ کا اور ہر لذت کا شکر ادا کر غرض کہ اسی قسم کے سوالات اس سے کئے جائیں گے جب صالح اور مصلح مالداروں کا یہ حال ہوگا جو حقوق اللہ کو انجام دیتے ہیں تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو شب وروز گناہوں میں ڈوبے ہوئے خواہشات نفسانی میں مدہوش اور دولت کے

نشہ میں چور رہتے ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے۔

الھکم التکاثر حتی زرتم المقابر کلا سوف تعلمون

زیادتی کے فخر نے تم کو غافل بنائے رکھا یہاں تک کہ تم نے قبروں کو دیکھا (یعنی تم کو موت آگئی) آگاہ ہو جاؤ آگے چل کر تم جان لوگے۔

یہ فاسد امیدیں اور تمنائیں وہ ہیں جو مخلوق کے دلوں پر مسلط ہو گئی ہیں جن کو شیطان نے مسخر کر لیا اور اپنے لئے مضحکہ خیز بنا دیا ہے جو مرض دلوں میں جڑ پکڑ گیا ہے اس کے علاج کو جاننا ہر اس شخص کا فریضہ ہے جو اپنے نفس کی دشمنی پر آمادہ ہے کیونکہ دلوں کی بیماریوں کا علاج جسمانی امراض کے مقابلہ میں زیادہ اہم اور قابل توجہ ہے، ان بیماریوں سے صرف وہی شخص نجات پاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قلب سلیم عطا کیا ہے۔

مرض قلب کے لئے دو دوائیں ہیں پہلی دوا ہمیشہ موت کو یاد کرنا اور اس میں غور و فکر کرتے رہنا اس کے ساتھ ساتھ یادرفتگان اور دنیا داروں کے انجام سے عبرت پکڑنا چاہیئے کہ کس طرح انہوں نے دولت و ثروت کے خزانے جمع کئے کیسے کیسے اونچے شاندار محل بنوائے اپنی دنیاداری سے پھولے نہ سمائے، تکبر و غرور کے نشہ میں چور رہے آخر میں ان کے محل قبرستان بن گئے اور تمام کے تمام جزو بزہ ہوگئے۔

اولم یھد لھم اھلکنا من قبلھم من القرون یمشون

کیا اس بات نے کہ ان سے پہلے ہم نے کتنے ہی زمانہ والوں کو ہلاک کر دیا، ان کے گھروں میں یہ

فی مساکنھم ان فی ذلک لایات افلا یسمعون

پھرتے ہیں ہلاک کر دیا ان کو کچھ بھی نہ سمجھا دیا بیشک اس میں نشانیاں موجود ہیں کیا اب بھی وہ (توجہ سے) نہیں سنتے ؟

ان کے محل ان کی جاگیریں اور ان کے مکانات اپنی زبانِ حال سے اپنے بانیوں کے مکر و فریب پر ناطق ہیں اب تم ان کے واقعات اور ان کے تاریخی حالات پر غور کرو کیا ان میں سے کسی ایک کی خبر تم سنتے ہو یا ان کی کوئی نشانی تم دیکھتے ہو"

دوسری دوا مرضِ دل کی، کتاب اللہ میں تفکر و تدبر ہے، کیونکہ اس میں دنیا والوں کے لئے شفاء و رحمت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ناصحوں کو ہمیشہ اپنے پاس رکھنے کی وصیت کی ہے چنانچہ فرمایا " میں نے تمہارے درمیان دو ناصحوں کو چھوڑا ہے جو خاموش بھی ہیں اور بولنے والے بھی، ایک قرآن دوسرا میری سنت، آج کل لوگ بظاہر زندہ نظر آتے ہیں لیکن کتاب اللہ کو چھوڑنے سے وہ مردہ ہو گئے ہیں گو اپنی زبانوں سے کتاب اللہ کو پڑھتے ہیں مگر اس سے گونگے ہیں، اس کو اپنے کانوں سے سنتے تو ہیں، لیکن اس کو سننے سے بہرے ہیں، اس کو اپنے غلافوں میں دیکھتے تو ہیں لیکن اس کے عجائب و اسرار سے اندھے ہیں۔ اس کے حقائق و معانی کا اظہار اپنی تفسیروں میں کرتے ہیں مگر ان سے خود ناواقف و جاہل ہیں میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ مبادا تم ایسے گروہ میں سے ہو جاؤ تم اپنے کام میں غور کرو اور اس شخص کے معاملہ میں

بھی جس نے خود اپنے بارے میں تدبر نہیں کیا پھر دیکھو کہ وہ کس طرح نادم ہوا اور کف افسوس ملا۔ پھر تم اپنے انجام کار میں اور اس شخص کے کام پر نظر ڈالو جس نے اپنے نفس کے معاملہ میں کوئی غور و خوض نہ کیا کس طرح وہ موت کے وقت ناکام اور نامراد رہا، قرآن مجید میں ایک آیت ہے جس میں بصیرت رکھنے والے ہر شخص کے لئے عبرت و بصیرت کا سامان ہے وہ آیت یہ ہے۔

لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذلک فاولئک ھم الخاسرون	"تمہارے مال اور نہ تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ بنا دے جو ایسا کریں تو وہی ناکام و نامراد ہیں۔"

دیکھو! دیکھو!! کہیں تم مال جمع کرنے میں نہ لگ جاؤ کیوں کہ مال کی خوشی تم سے آخرت کا کام بھلا دیتی ہے اور ایمانی لذت و حلاوت کو تم سے چھین لیتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "تم دنیا والوں کے مالوں کی طرف نہ نظر کرو کیوں کہ ان کے مالوں کی چمک دمک تمہارے ایمان کی حلاوت و لذت کو چھین لیتی ہے۔" یہ تو رہا مال پر صرف نظر کرنے کا ثمرہ لیکن ذخیرہ بندی سرمایہ داری، طغیانی و سرکشی اور تکبر کا انجام کیا ہوگا۔

باقی رہے قاضی اجل امام مروان تو خدا ان کی جیسی علمی نشانی رکھنے والوں میں اضافہ کرے کیوں وہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں ان کے اندر علم و

تقوی دونوں صفات پائی جاتی ہیں، لیکن ان دونوں کی تکمیل کا انحصار دوام پر ہے، ان کو دوام صرف اسی صورت میں نصیب ہوگا جب کہ ان کے والدین ان کی امداد کریں اوران کی آرزو و امید کی تکمیل کی کوشش کریں نیز ان کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے لڑکے کو اپنی آخرت کا سرمایہ اور اللہ کے نزدیک وسیلہ قرار دیں، اور فراغ دلی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت میں جد وجہد کریں ان پر اللہ تک پہونچنے کا طریقہ منقطع نہ کریں اور اللہ تک پہنچنے کا راستہ بقدر قوت وطاقت مال پر قناعت کرنا اور حلال کمائی طلب کرنا اور دنیا والوں کی خواہشات اور ان کے فاسد ارادوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہے، یہ چیز امراء وسلاطین کے ساتھ میل جول سے باز رہنے سے میسر ہوتی ہے، اور حدیث میں وارد ہے کہ فقہاء اللہ تعالیٰ کے امین ہیں تا وقتیکہ وہ دنیوی امور سے دلچسپی نہ رکھیں جب انہوں نے دنیا میں قدم رکھ دیا تو تم اپنے دین پر ثابت قدم رہو" یہ ایسے امور ہیں جن کی طرف تم کو اللہ تعالیٰ نے رہبری کی ہے اور وہ تمہارے لئے آسان کر دیا ہے۔ لہٰذا تمہارا فریضہ ہے کہ تم ان سے راضی اور خوش ہو جاؤ اور اس کی دعا سے امداد حاصل کرو کیوں کہ لڑکے کی دعا دنیا و آخرت میں عظیم الشان سرمایہ اور ذخیرہ ہے تمہارا فرض ہے کہ دنیوی مرغوبات سے کنارہ کشی کے معاملات میں اپنے لڑکے کی اقتدا کریں کیوں کہ لڑکا اگرچہ فرع کی حیثیت رکھتا ہے لیکن عمل کی زیادتی کی وجہ سے اصل کے قایم مقام بن جاتا ہے بنا بریں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا

یا ابت انی قد جاءنی من العلم مالم یاتك فاتبعنی اھدك صراطاً سویا۔	ابا جان! میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا سو تم میری اتباع کرو تاکہ میں تمہیں سیدھے

اور ہموار راستہ تک پہنچا دوں ؎

تمہیں اپنے لڑکے پر شفقت کی نظر کرنی چاہیئے جو تمہارا لخت جگر ہے، دنیاداروں کی سب سے بڑی حسرت آخرت میں یہ ہوگی کہ وہ کسی ایسے سرگرم دوست پر اعتماد رکھتے ہیں جو ان کی سفارش کرے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلیس لہ الیوم ھٰھنا حمیم پس اس کے لئے آج یہاں کوئی دوست نہیں ہے۔" میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہاری نظروں میں دنیا کو حقیر کردے جو اللہ کے پاس حقیر ہے اور تمہاری نگاہوں میں اس دین کو عظیم الشان بنادے جو اس کے نزدیک بہت بڑا ہے اور ہم کو اور تم کو اس کے حسب مرضی کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور تمہیں فردوس بریں میں اپنے فضل و احسان سے نازل فرمائے انشاء اللہ تعالیٰ، والسلام

چوتھا باب

فقہاء و ائمہ دین کے نام خطوط

پہلا خط

خواجہ امام عبّاسی کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے وصیت کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے تمام وصیتوں اور نصیحتوں کے اصول صرف دو کلموں میں جمع کر دیئے اور فرمایا : قل ربی اللہ ثم استقم "یعنی کہہ دے میرا پروردگار اللہ ہے پھر اس پر ثابت قدم رہ"

"ربی اللہ" کی حقیقت یہ ہے کہ تم ذات خداوندی میں اس طرح دھیان جماؤ کہ جو کچھ تمہیں موجودات نظر آ رہی ہیں وہ نیست ہو جائے اور ہستی حق تعالیٰ کا تصور ہی ذہن و قلب پر

سمجھا جائے جو کچھ اجزاء ہیں وہ نیست و نابود ہیں، اور ذات حق تعالیٰ ہی پر تمام موجودات کائنات کا انحصار ہے اور ان تمام میں بالکلیہ اسی کے وجود کو دوام و استقرار حاصل ہے جس قدر تمہارا التفات غیروں سے منقطع ہوگا اسی قدر وجود حق زیادہ مسلم ہوگا، یہاں تک کہ تم سوائے ذات واجب الوجود کے کسی کو نہ دیکھو گے اور تمہارا دل سوائے ذات حق کے کسی پر اعتماد نہ رکھے گا۔

"استقم" کا درجہ اس کے بعد کا ہے، استقامت تین چیزوں میں ہوتی ہے دل میں —— اخلاق و صفاتِ دل میں —— اعضاء و جوارح میں۔

اعضاء و جوارح میں استقامت یہ ہے کہ تمام حرکات و سکنات ایک اصول و دستور کے مطابق و ہم آہنگ ہوں استقامت اخلاق سے یہ مراد ہے کہ نفس میں خواہشات و جذبات کی تحریک خود بخود نہ ہو بلکہ دین کے اشارے سے پیدا ہو نفس میں اتنی قوت و طاقت نہ باقی رہنا چاہیئے کہ بجز فرمان دینی و امر الٰہی کے اعضاء و جوارح کو حرکت دے سکے، بلکہ نفس اس امر کا منتظر رہے کہ جس چیز کی اس کو آرزو و خواہش دامنگیر ہے قبل اس کے کہ اس پر عمل درآمد کرے اس کو عقل و فکر کی میزان میں وزن کر لے اور اس کی مقدار اس کے وقت اور اس کی نوعیت و کیفیت کا اندازہ لگا لے کہ درست خواہشات اور

نیک جذبات کیا ہیں جب اس کا فیصلہ ہو جائے اور ایک قانون واصول بنالے تب اسی مقدار میں خواہشات کو تحریک اور بروئے کار لے آئے۔

شہوت نفسانی کی یہ فطرت ہے کہ جب مرغوب شئے اس کے سامنے آتی ہے تو اس کو حاصل کرنے کے لئے نفس طرح طرح کے بہانے کرتا ہے اور کہتا ہے ایک مرتبہ اس کو حاصل کرلوں دوبارہ باز رہ جاؤں گا اس کا علاج یہ ہے کہ تم اس سے اس طرح کہو اب اس مرتبہ چپ رہو اور خاموش ہو جاؤ دوسرا جب موقعہ آئے تو حاصل کرلوں گا، جب دوسرا موقعہ ہاتھ آجائے اسی قسم کا فریب دو جیسا کہ وہ فریب دیتا ہے کہ اس مرتبہ مجھے چھوڑ دو دوبارہ میں اس سے باز آجاؤں گا۔

استقامت قلب کا مطلب یہ ہے کہ دل ذکر خداوندی کی قرارگاہ اور جلوۂ حق کی بارگاہ ہو، اور ہمیشہ اس کی نگہداشت کرتا ہے کہ کوئی دوسری چیز اس پر نہ گذرے اگر گذرے اور یقیناً گذرے گی تو حتی المقدور کوشش کرے کہ اس کا گذر قلبی گوشوں پر ہو اور دل کی گہرائی میں متمکن نہ ہو جائے بلکہ گہرائی قلب کو ذکر حق کو تفویض کر دینا چاہیئے اور دوسری ضرورتیں سطح قلب سے انجام دینی چاہیئے تم بالکلیہ اپنا دل بجز ذکر حق تعالیٰ کے کسی اور کام میں نہ لگاؤ، جب کبھی ایسا حادثہ پیش آجائے کہ لشکر جرار تمام دل پر قبضہ کرلے تو جلد از جلد اس سے تم اپنی مملکت قلب واپس لیلو اور پھر ذکر حق میں مصروف ہو۔ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ اور یاد کر اپنے پروردگار کو جب تو فراموش کر جائے جب ذکر اکثر حالات میں دل پر

غالب ہو جاتا ہے تو اکثر امور و معاملات میں وہ شہوت پر قابض ہو جاتا ہے، اسی طرح حرکات و سکنات ایک دستور اور اصول کے مطابق توازن کے ساتھ صادر ہوتے ہیں۔ ہاں شاذ و نادر ہی اس کا خلاف ہوتا ہے اگر ایسی بھول چوک کبھی ہو بھی جائے تو حساب و میزان کا پلّہ بھاری رہتا ہے اگر وہ علی الدوام آفات و توہمات کے حملوں سے محفوظ رہا تو عفو و بخشش اور نجات و مغفرت کا مستحق ہو گیا۔

دوسرا خط

ابوالحسن مسعود بن محمد بن غانم کے جواب میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہارا خط ملا جو خوشگوار عہد و سعت علم اور وفور فضل سے لبریز اور لمعۂ اشتیاق سے منور تھا کیوں کہ ایک مدت سے تمہارا خط نہ ملا تھا اور اس کے دیدار کا دل بے حد متمنی تھا اور تمام سیر و سیاحت میں ہمیشہ تمہارے خط ہی کا انتظار رہتا تھا، خط سے تمام حالات و واقعات کا علم ہوا اور تحصیل علم میں جو محنت و کوشش تم نے کی ہے اور جس توجہ و مداومت کار سے تم نے علم حاصل کیا اس کی کیفیت کا حال معلوم ہوا، میں نے خود تمہارے اندر جو عقل و کیاست، متانت و

دیانت و حسن عقیدہ کا جو مشاہدہ کیا تھا اس کی بنا پر مجھے پورا اعتماد و ذوق حاصل تھا کہ تمام اصول میں تم استقامت کی پابندی اور توازن ملحوظ رکھوگے اور تمام تر دینی کام ہی کو مستعدی سے انجام دوگے کیونکہ نیکی و صداقت کے ساتھ جن نیک کاموں کی ابتدا ہوتی ہے ان کا انجام بھی نیکی اور صداقت پر ہوا کرتا ہے اب تم نے علم فقہ اور علم ادب میں درجۂ استقلال حاصل کرلیا ہے علم و فضل کے مدارج پر آکر ٹھہر جانا عاجزوں اور کوتاہ اندیشوں کا کام ہے۔ تمہارا فریضہ ہے کہ تم معلوم کے درجۂ اعلیٰ تک ترقی کرجاؤ فرض کفایہ سے فرض عین کی طرف اپنا رخ پھیرو، اور ایسا علم حاصل کرو جس کی مخلوق کو زیادہ ضرورت ہے یا ایسے علم کی تلاش و جستجو کرو جو بالکلیہ آخرت کا طلبگار ہو مذہبی علم کا حاصل چوتھائی عبادت کے علاوہ عوام کے درمیان قانون عدالت کو نافذ کرتا ہے۔ جو خواہشات نفسانی و جہالت کی بنا پر اور مادی امور کی طرف میلان و کشش اور دنیوی معاملات میں نزاع و کشمکش کی وجہ سے دنیاداری میں مشغول ہوجاتے ہیں، یہ اس علم سے کیا مناسبت رکھتا ہے جس کا نتیجہ اسرار ربانی کی معرفت ہو، علم کا ماحصل یہ ہو کہ کسی ظنی و تخمینی مسئلہ اور مختلف فیہ معاملہ میں راستی و درستگی کو تلاش کیا جائے جس میں اگر ایک غلطی ہو تو ایک ثواب اور درستی ہو تو دو ثواب ملتے ہیں یہ اس شخص کا حق ہے جو درجۂ اجتہاد پر پہونچ چکا ہے کیونکہ اگر اس وقت وہ مسئلہ مختلف فیہ میں غلطی کرجائے تو ایک ثواب ملے

گا اور اگر صحیح مسئلہ پر پہونچے گا تو وہ ثواب کا مستحق ہوگا جو علم غلطی و صواب کے درمیان تمیز و تصرف کرنے کے مقصد سے جس شخص کے پیش نظر نہ ہوگا وہ ایسے علم کے ساتھ کیا مناسبت رکھتا ہے جس کی خطاو صواب کے مابین تمیز و اجتہاد ابدی سعادت یا ابدی شقاوت کا باعث ہو ان اسرار و رموز کو پہچاننا ایسے انسان کا جوہر ہے جو یہ جانتا ہے کہ اس کے مہلک اوصاف کیا ہیں اور اس کے نجات دہندہ خصائل کیا ہیں، وہ کونسا کیمیا ہے جس کو اگر جوہر دل پر چمکایا جائے تو اسے اسفل السافلین سے اعلیٰ علیین تک پہونچا دیتا ہے۔ وہ کونسا راستہ ہے جس پر چلنے سے انسان کا جوہر بارگاہ ربوبیت میں رسائی حاصل کر لیتا ہے اور اس راہ کی دشواریاں کیا ہیں؟ اور اس کا زاد راہ کیا ہے اگر اس کو شمہ برابر اس علم کا راستہ دکھایا جائے تو اس کی نظر میں تمام علوم حقیر اور مختصر ہو جائیں۔ لیکن تاوقتیکہ اس علم کا چسکہ اسے حاصل نہ ہو اس کے لطف کا اندازہ نہیں کر سکتا۔

مرغے کہ خبر ندارد از آب زلال
منقار در آب شور دارد ہمہ حال

چوں کہ مجھے تمہاری عقل و کیاست پر اعتماد ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے تمہاری فطرت ہر ایسے علم کے قابل ہے جو اسرار دین سے تعلق رکھتا ہے اس لئے میں نے تمہیں اس سے آگاہ کر دیا۔ والسلام

تیسرا خط

جملہ ائمہ دین کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا لعنت کی ماری ہوئی ہے اس میں بجز ان چیزوں کے جو اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں باقی اور تمام اشیاء لعنت زدہ ہیں۔

جاہ و مرتبہ کی بلندی اور دولت و ثروت کی وسعت کی تمنا تمام بدبختی کے تخم ہیں اور تباہی و بربادی کا سبب بجز اس کے کہ ان سے زاد آخرت اور ذخیرہ قیامت بنایا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے مال اور صاحب مال کے حق میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے "صالح مال صالح شخص کے لئے کیا ہی اچھا ہے" مقبول ترین نیکی، مبرور ترین قرابت اور حد درجہ بر محل اکرام و احترام یہ ہے کہ حال اہل علم ارباب دین اور اصحاب تقویٰ کو پہونچے والسلام

چوتھا خط

خواجہ عباس خوارزم کے نام اخوانیات کے معنی ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلام اللہ تعالیٰ، اخوت دین اور قرابت علمی تمام وسائل و روابط سے زیادہ راسخ و محکم ہے اگرچہ بظاہر کوئی تعارف نہیں ہوا ہے لیکن باطنی تعارف زیادہ محکم و استوار ہے۔

ارواح ترتیب یافتہ لشکر ہیں، نظر دلوں پر پڑتی ہے نہ کہ جسموں پر میں آپ کی حوصلہ مندی اور سیرت و کردار کے واقعات تفصیل سے سن چکا ہوں دل میں ایک قوت و نشاط محسوس کرتا ہوں اور خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ہنوز روئے زمین ایسے شخص سے خالی نہیں ہے جس کے اندر شرعی علوم سیرت نصرت اور اقتدار صحابہ یہ تمام صفات جمع ہوں کیوں کہ ان میں سے کسی ایک امر کو انجام دینا مشکل ہے اور ان تمام شروط و صفات پر حاوی ہونا اس سے کہیں زیادہ مشکل اگر آپ مخلوق کی دعوت و تبلیغ کا کام اپنے ہاتھ میں لیں اور ان کو رضاء الٰہی اور راہ

سعادت کی دعوت دیں تو آپ کی اقتدار صحابہ کے نقش قدم پر پوری اتر جائے اور انتہائی کمال تک آپ پہنچ جائیں گے۔

ومن احسن قولا ممن دعا	اور اس سے بہتر بات کس کی ہو گی جو اللہ کی
الی اللہ وعمل صالحا و	طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور یہ کہے کہ یقیناً
قال اننی من المسلمین	میں (خدا کی) اطاعت کرنیوالوں میں سے ہوں

پانچواں خط

ابن العامل کے جواب میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والصلوۃ علی رسولہ محمد والہ اجمعین سلام اللہ تعالےٰ علی الشیخ الامام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کا نامۂ گرامی جو انواع تفصیل واکرام پر مشتمل اور نتیجہ علمی و نور فضل اور خلوص اعتقاد سے معمور تھا ملا میں بارگاہ ایزدی میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے جیسے لوگوں کو اہل علم اور صاحب فضل گروہ میں زیادہ کرے، اور آپ کو حقائق ودقائق علمیہ سے روشناس کرے جو علم وفضل بجز اللہ واتباع رسول کے کوئی اور ثمرہ ونتیجہ پیدا کرے تو

ایسا علم صاحب علم کے لئے وبال ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص کو زیادہ سے زیادہ علم عطا کیا گیا اور اس کے مطابق اس کو ہدایت نصیب نہ ہوئی تو وہ اللہ تعالیٰ سے کوسوں دور رہے گا، رہبری کرنے والا علم وہ ہے جو تمہیں مخلوق سے خالق کی طرف، دنیا سے آخرت کی طرف تکبر سے تواضع کی حرص سے زہد کی، ریاء سے اخلاص کی، شک سے یقین کی، عیش پسندوں کی غلامی سے تقویٰ شعاروں کی سیرت کی دعوت دے، بہت سے یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص علم دین میں مشغول ہے وہ راہِ دین کا سالک بھی ہے افسوس کہ ایسا نہیں، مسند الصحیحین میں مروی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص ایسا علم جس کے ذریعہ اللہ کی خوشنودی تلاش کی جانی چاہیئے اس لئے سیکھتا ہے کہ اس کے ذریعہ دنیوی فائدے حاصل کرے تو جنت کی کھڑکی تک بھی نہیں پائے گا۔"

درحقیقت اہل علم کے لئے یہ بہت بڑی مصیبت ہے کہ علم و فضل کو جمع کرنے کا خطرہ مال کے خطرہ سے بڑھا ہوا ہے کیوں کہ مال کا تعلق دنیا سے ہے یہ اسی لائق ہے کہ اس سے دنیا طلب کی جائے لیکن علم دین کا تعلق دین ہی سے ہے جب یہ دنیا سازی کا وسیلہ بنایا جائے تو یہ گناہ کبیرہ میں شمار کیا جائے گا۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ جس نے دین کو ایسی ناپسندہ شے کے ذریعہ طلب کیا جس سے دنیا طلب کی جاتی ہے تو وہ اس شخص سے زیادہ معذور ہوگا جس نے دنیا کو ایسی پسندیدہ

حاصل کی جس کے ذریعہ آخرت طلب کی جاتی ہے" اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کو دین کے لئے پیدا کیا گیا ہے نہ دین کو دنیا کمانے کے لئے دنیا آلۂ کار اور خادم کی حیثیت رکھتی ہے اور دین مخدوم وحاکم کا درجہ، جو شخص مخدوم کو خادم کا وسیلہ گردانتا ہے قانون الٰہی اور دستور خداوندی کی خلاف ورزی کرتا ہے، قانون قدرت تو کسی طرح خود بخود تبدیل نہیں ہوتا لیکن اس دنیا میں اس کی صورت و کردار میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے لیکن یہ آنکھیں اس کی ظاہری تبدیلی کو دیکھ سکتی ہیں جب یہ آنکھیں بند ہو جائیں گی اور دوسرا عالم نظروں کے سامنے ظاہر ہوگا اُس وقت معانی کے حقائق پردۂ غیب سے منظر عام پر جلوہ گر ہوں گے اور ہر حقیقت ایک مجسم شکل وصورت ہوگی ہر شخص کی اس کردار وسیرت کے مطابق ایک صورت ظاہر کی جائے گی چنانچہ حریص ولالچی اپنے کو گدھے کی صورت میں دیکھے گا اور صاحب کبر ونخوت خود کو چیتے کی شکل میں صاحب غضب بھیڑیئے کے روپ میں اور دنیا دار جس نے علم دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا اپنے آپ کو ذلیل وخوار اور اپنی شکل وصورت کو مسخ شدہ پائے گا اس وقت کارکنانِ قدرت اس سے یوں خطاب کریں گے۔

فکشفنا عنك غطاءك — سواب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ ہٹا
فَبصرك الیوم حدید — دیا سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے

دوسری جگہ اس حقیقت کو اس طرح ظاہر کیا گیا ہے

ولو تری اذ المجرمون ناکسوا رؤسہم عند ربہم ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحا انا موقنون

اور اگر آپ دیکھیں تو عجب حال دیکھیں گے جب کہ یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار بس ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے سو ہم کو پھر بھیج دیجئے ہم نیک کام کیا کریں گے ہم کو پورا یقین آگیا ؛

اس کا جواب اللہ کی طرف سے یہ دیا جائے گا۔

اولم نعمرکم ما یتذکر فیہ من تذکر وجاءکم النذیر فذوقوا فما للظالمین من نصیر

کیا ہم نے تمھیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں نصیحت پکڑنے والا نصیحت پکڑ لیتا اور تمھارے پاس ڈرانے والا آیا پس تم (اپنے کردار کی) سزا چکھو پس زیادتی کرنے والوں کا کوئی مددگار نہیں "۔

اس قدر مصیبتیں جھیلنی پڑیں گی اہل علم کو جس میں اہل علم کی تین قسمیں ہیں ایک گروہ اس مصیبت سے غافل اور بے خبر ہے، علمار کا نام ان کے حق میں محض مجاز کی حیثیت رکھتا ہے اولئک ھم الغافلون یہی لوگ غفلت شعار ہیں اور لا محالہ انہم فی الاخرۃ ھم الخاسرون وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔

دوسرا گروہ اس مصیبت کا ماتم کرتا ہوا بیٹھا ہے، اور اس مصیبت سے اس کو چھٹکارا نہیں ملا ہے، یہ سابقین و مقربین کا طبقہ ہے مژدہ ہے اس آنکھ کے لئے جس نے انھیں دیکھا یا ان کے دیکھنے والوں کو دیکھا کاش

ہم بھی ان لوگوں میں سے ہوتے جنھوں نے ان کی ملاقات کا سرمہ اپنی آنکھوں میں لگایا ان تین طبقوں کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے

فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد و منهم سابق بالخيرات باذن الله

اللہ[1] سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور تمہیں مخلصین میں سے بناتے اور اپنے فضل واحسان کے طفیل ہم کو دنیا داروں کے مکر و فریب سے پناہ دے۔ والسلام

[1] یہ آیت کا ترجمہ نہیں ہے۔

چھٹا خط

کسی طالب علم کو اس کے رشتہ دار نے طلب علم وتحصیل فن سے روکنا چاہا تھا، امام صاحب اس کے رشتہ دار کو یہ خط لکھتے ہیں جس میں تحصیل علم کے فوائد بیان کرتے اور اس کی راہ میں حائل ہونے والوں کو تنبیہ کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ سعادت کے طلب گار علم و تقویٰ کے ذریعہ عزیز و بزرگ ہوتے ہیں ہزاروں میں سے گنتی کے چند لوگ ہیں جو تحصیل علم کی طرف توجہ کرتے اور دنیوی اشغال و اعمال سے اپنا منہ

پھیر لیتے ہیں، جن اشخاص کو علم کی طرف توجہ کرنے کی توفیق ہوتی ہے ان میں سے بہت کم ایسے ہیں جن کو علوم کے اسرار و حقائق کے ادراک میں فہم و ذکا رمہیا ہوا اور جن لوگوں کا فہم و ذکا رکمل ہوتا ہے ان میں سے بہت تھوڑے ایسے ہیں جن کے اخلاق و کردار کی شان یہ ہوتی ہے کہ ان کا علم دنیا طلبی اور جمع مال کے شوق کا آلۂ کار نہیں ہوتا چنانچہ وہ علم و عمل کو ہم آہنگ و متوازن کرتے اور ہمیشہ تقوی کو اپنا آلۂ کار بناتے اور مخلوق کی رہبری کے سزاوار ہوتے ہیں ایسے ہی جلیل القدر اشخاص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وجعلنا هم ائمة يهدون	اور ہم نے ان میں جب کہ اُنھوں نے
بامرنا لما صبروا وكانوا	صبر کیا بہت سے پیشوا بنا دیتے تھے
بآياتنا يوقنون	جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے

اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے۔

ان کا شمار ایسے انسانوں میں سے نہیں ہوتا جن کے متعلق فرمایا گیا۔

واتل عليهم نباء الذى	ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے
اتيناه آيتنا فانسلخ منها	کہ اس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر
فاتبعه الشيطن فكان	وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا پھر شیطان
من الغوين	اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ

لوگوں میں داخل ہو گیا۔

اس قسم کے انسان بہت کم ہوتے ہیں جن کی فطرت میں کمال

علم کی استعداد ہوتی ہے اور ان کی طبیعت تقوی کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، کارکنانِ قضا وقدر کا فیصلہ اس طرح جاری رہے کہ ان پر شیطانوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ ان کی راہ میں روڑے اٹکائیں، جس طرح ممکن ہو اس راہ کو پائے تکمیل تک پہنچنے سے پہلے ہی مسدود کر دیا جائے، ان عوائق وموانعات میں سے رشتہ داری ہے مال ہے، اور جائداد ہے، اور آپس کا اختلاف دشمنی اور نزاع ہے اس طالب علم کے راستہ کو قطع کرنے کے لئے یہ تمام شیاطین ہیں، فلاں شخص تو معدودے چند لوگوں میں سے ہے جس کی فطرت کمال علم وتقوی کی استعداد وصلاحیت رکھتی ہے اگر اس کے لئے اسباب فراغت مہیا کیے جائیں تو وہ ذروۂ کمال تک پہنچ سکتا ہے جس کا ثمرۂ نیک، دین ودنیا میں تمام کو حاصل ہوگا، اگر ہر گھڑی اس کے واپس آنے کا تقاضا کرتے رہوگے اس کے اسباب سہولت وفراغت میں فتور پیدا کروگے اور شفقت کے بجائے عین بے شفقتی برتوگے تم تو اس کی راہ کو مسدود کرنے والوں میں شمار ہوگے حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو"۔ وہ بھی یہ کہتا ہے کہ چند روز کے لئے صلۂ رحمی کے طور پر واپس وطن کو جانا علمی راہ کو منقطع کرنے کا باعث نہ ہوگا امر واقعہ یہ ہے کہ بہت سے طالب علموں کی تحصیل کی راہ اس طرح منقطع ومسدود ہوگئی

کہ وہ دوبارہ تحصیل علم کے ارادہ و قصد کو لے کر اپنے وطن واپس جاتے ہیں اور وطن تو تعلقات و موانعات کا آستانہ ہے یہاں تک کہ وہ طرح طرح کے کاموں اور الجھنوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور پھر تحصیل علم کا خیال ذہن سے نکل جاتا ہے۔

جو کچھ خیر خواہی کے طور پر مجھے کہنا تھا کہہ گیا، جو شخص جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس کے لئے وہی کام آسان ہے اور خوش خبری ہے اس شخص کے لئے جو بھلائی اور اس کی امداد و اعانت کے لئے پیدا کیا گیا، والسلام

ساتواں خط

قاضی امام سعید عماد الدین محمد وزان کے نام

کسی پر نظر شفقت و عنایت کرنے کے بارے میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہل ملک کے حسن انتظام کے متعلق جو خبریں مجھے پہنچتی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں عمومیت ایمان اور المومنون کنفس واحدۃ

یعنی تمام مسلمان ایک نفس کی طرح ہیں کے مصداق اور قرابت علمی کی بنا پر ایک دوسرے سے تعارف پیدا کرنا اور باہمی مشارکت لازمی ہے علم کے حالات کے ساتھ جو چیز مناسبت اور میل رکھتی ہے وہ علماء سلف کی سیرت و کردار ہے، زاد آخرت، ذخیرۂ قیامت اور اقتدار امت کے حق میں ایک بڑی نعمت ہے تمام کو اس پر شاد و خرم ہونا اور اس کی مبارکباد دینی چاہیئے اور جو کچھ اس کا خلاف ہو وہ ایک بلائے بزرگ اور مصیبت عظمی ہوگی ایسی صورت میں تمام کو اس مصیبت کے ماتم میں شریک ہونا چاہیئے چونکہ بے فائدہ خط و کتابت ایک قسم کا تصنع اور رسم ہے اس لئے میں بجز وقت ضرورت قلم کو جنبش دینے میں احتیاط کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لاخیر فی کثیر من نجواھم	عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں
الا من امر بصدقۃ او	ہوتی ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ خیرات
معروف او اصلاح بین الناس	کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں
	باہم اصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں۔

اس لحاظ سے مکاتیب و مراسلت بھی باہمی سرگوشی اور بالمشافہ (رُودررُو) گفتگو ہے اس خط کے لکھنے کا سبب فلاں شخص کے حالات کی تشریح ہے جو اصحاب رائے میں یگانۂ روزگار اور فاضل ہے اور گوناگوں فضائل و علوم سے آراستہ ہے اس وقت اس نے آپ کے ملک کا ایک اہم مقصد سے رخ کیا ہے، آپ جس عنایت و اکرام سے اس کا خیر

مقدم کریں گے وہ اس سے بے نیاز نہ ہوگا، اس کے حق میں جو احترام وسلوک روا رکھا جائے گا وہ ثواب جزیل کا موجب اور دعاء صالح اور شکر وثناء جمیل کا باعث ہوگا۔

آٹھواں خط

یہ ایک عام خط ہے جس میں زہد وتقویٰ کی بے مثال تشریح کی گئی ہے طبقات انسانی پہ بے نظیر تبصرہ کیا گیا ہے اور زندگی کے اصول اور سیرت وکردار کی تعمیر کے گرانقدر خاکے پیش کئے گئے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر چند کہ راہ دین میں بہت سے دشوار گذار مقامات اور کٹھن مراحل ہیں لیکن وہ تمام دو ورق میں محدود ہیں پہلا ورق معاملہ ہے اور دوسرا ورق معرفت ہے، معاملہ مقدمہ ہے معرفت کا، اور معاملہ کی ابتداء لقمۂ حلال سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا تمام اعمال میں اخلاص پر جب یہ آخری منزل طے ہوتی ہے تو معرفت کے ورق کا آغاز ہوتا ہے اس ورق کے سرے پر پہلا عنوان حقیقت لا الٰہ الا اللہ ہے جو اس صفت کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اول ما خط اللہ تعالیٰ فی الکتاب الاول لا الٰہ الا انا سبقت رحمتی

من غضبی یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کتاب اول میں جو تحریر کیا وہ یہ خط تھا میرے سوائے کوئی معبود نہیں، میری رحمت میرے غضب سے وسیع ہے۔"

معاملہ کے ورق میں بھی یہی کلمہ تحریر ہے لیکن وہ محض عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس صفت کے درجہ تک نہیں پہنچتا جیسا کہ یہ کلمہ اپنی اس صفت و شان میں جلوہ گر ہوتا ہے گویا تمام عقیدے اس اصل کے تابع ہیں اور وہ الفاظ کے لباس سے اس طرح باہر ہونا شروع ہوتا ہے جیسا کہ مغز چھلکوں سے نمایاں ہو جاتا ہے۔

ورق معرفت میں بحث کو مختصر کر دینا بہتر ہے کیوں کہ اس ورق کا ہر کلمہ جس کی راہ تک سالک پہنچتا ہے تشریح و توضیح سے بے نیاز ہے جس شخص نے یہاں تک رسائی نہیں کی ہے ہنوز اس کے نزدیک یہ مسلم نہیں ایسے شخص کے ساتھ بحث کرنے کا نتیجہ دشمنی مول لینا ہے۔

لیکن ورق کے معاملہ میں جس قدر تشریح و تفصیل کے ساتھ گفتگو اور بحث کی جائے نفع بخش اور سود مند ہوگی پہلے ہم کہہ چکے ہیں کہ اس ورق کا آغاز لقمہ حلال سے ہوتا ہے، حلال روزی میں تقویٰ و زہد کی چار قسمیں ہیں۔

پہلا درجہ تقوائے عدالت ہے جس کے فقدان شہادت روایت اور قضا کی عدالت حاصل نہیں ہوتی علماء شرع کے فتوے ہیں جس قدر دنیوی اموال حرام ہیں ان کو یہ زہد و تقویٰ باطل قرار دیتا ہے۔

دوسرا درجہ نیکو کاروں کا زہد ہے جس کی بنا پر نیک لوگ شبہات کے مواقع سے احتراز کرتے ہیں خواہ بظاہر شریعت میں وہ حرام نہ ٹھہراتے

گئے ہوں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ سے فرمایا اگرچہ مفتیوں نے تجھے فتویٰ دیا ہو لیکن تو اپنے دل سے فتویٰ طلب کرلے ایک اور جگہ پر آپ نے فرمایا دع مایریبک الی مالا یریبک" جس چیز کے متعلق تمہیں شک وشبہ ہو تو تم اس کو چھوڑ دو اور وہ چیز غیر مشتبہ ہو" اس قسم کا زہد وتقویٰ فضائل واخلاق میں سے ہے نہ کہ فرائض سے۔

تیسرا پرہیزگاروں کا زہد ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی شخص متقی نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ وہ خلجان میں نہ ڈالنے والی چیزوں کو بھی اس اندیشہ سے نہ چھوڑ دے کہ مبادا خلجان میں ڈال دیں، یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے منہ پر پتھر رکھ لیتے تاکہ مباح گفتگو بھی نہ کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ناشائستہ گفتگو بھی زبان سے نکل آئے حضرت عمر بن خطاب نے اپنے گھر والوں کے مقنعہ سے مشک کی بو سونگھی جو بیت المال میں چلی گیا تھا اور انگلی سے مقنعہ لگا لیا گیا تھا آپ مقنعہ کو دھوتے تھے اور مٹی میں اس کو ملتے تھے تاکہ اس کی تمام بو زائل ہو جائے ہرچند کہ یہ محل تسامح تھا۔ لیکن آپ کو خوف دامن گیر تھا کہ جب اس کی راہ کھول دی جائے تو اس میں زیادتی ہو جائے گی۔

چوتھا درجہ صدیقوں کا زہد ہے کہ یہ لوگ تمام مباحات کو اپنے اوپر حرام قرار دیتے ہیں بجز ان اشیاء کے جو محض خدا کی راہ میں ہوں چنانچہ یہ لوگ کھاتے ہیں تو صرف اللہ کے لیے پیتے ہیں تو اسی کے لیے اور زبان کھولتے ہیں تو اسی کے لیے اور بود وباش کرتے ہیں تو اسی کے

واسطے یہ لوگ کھاتے ہیں اطاعت و فرماں برداری کی قوت کے لئے قیلولہ کرتے ہیں تہجد کے لئے شب کو سوتے ہیں، اولین سحر اُٹھنے کے لئے ان کی گویائی ذکر ان کا سکوت فکر ان کی نظر عبرت اور اُن کا اغماض ہیبت وجلال کا منظر ہوتا ہے، غرض کہ اُن کے تمام حالات اسی قسم کے ہوتے ہیں۔

جن اشخاص کو ورق معاملہ سے حلال وحرام کی آگاہی ہوتی ہے ان کے تین مقامات ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تصریح فرمائی ہے۔

ثم اورثنا الکتاب الذین
اصطفینا من عبادنا

جو لوگ زہد عدالت کے درجہ پر اکتفا کرتے ہیں اعتدال پسند گروہ میں شمار ہوتے ہیں، جو طبقہ اس زہد کا ایفا نہیں کرتا اور شاذونادر ہی اس پر کاربند ہوتا ہے اور اس کو انجام دینے سے پہلو تہی کرتا ہے تو وہ ظالموں کے زمرہ میں سے ہوگا جو اشخاص اس درجہ زہد پر قناعت نہیں کرتے بلکہ اس سے بھی اونچے درجات تک ترقی کرتے ہیں وہ سابقین کے طبقہ سے ہوں گے اور جو اشخاص درجۂ چہارم تک بلند ہونے کا ارادہ کرتے ہیں وہ سابقین اولین میں ہیں، سابقین کا درجہ آخری زمانے میں محال یا ممتنع یا دشوار ہوگا۔ لیکن اس کی توقع کی جاتی ہے کہ زمانے جو لوگ زہد عدل کے درجہ پر عمل درآمد کریں گے اور اس کے شروط کی پابجائی کی جائے گی تو ایسے لوگوں کو سابقین کا درجہ عطا کیا جاتے۔

گا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

سیاتی علی الناس زمان" من تمسک ببعض ما انتم علیہ بخا فقیل و لِمَ ذلک قال لانکم تجدون علی الخیر اعوانا"۔

عنقریب لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا جس شخص نے تمہارے دسویں حصہ کی بھی پابندی کی نجات پا گیا صحابہ نے عرض کیا یہ کس لئے؟ آپ نے فرمایا اس لیے کہ تم بھلائی پر مددگار پاتے ہو۔

بنابریں جو شخص یہ گمان کرے کہ جو شخص کسانوں اور تاجروں کے مال پر قناعت کرتا ہے زمرۂ سابقین میں شمار ہوگا اور جو شخص بادشاہ کا مال اور وظیفہ قبول کرتا ہے ظالموں کے طبقہ میں ہوگا، وہ غلطی ہے، کیونکہ تاجروں کا مال خلط ملط شدہ ہے اس کو علیحدہ کرنے اور اس کا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے اسی طرح بادشاہوں کے مال کی بھی تفصیل و تشریح ضروری ہے، اس لحاظ سے بادشاہوں کے مال کی تین قسمیں ہیں، ایک ایسا مال جو کسی سے غصب کرلیا گیا ہے اور تاوان اور جرمانے سے وصول کیا گیا ہے اور کسی شخص سے غیر معینہ و بے اندازہ خراج اور محصول لیا گیا ہے، اس قسم کا مال حرام محض ہے، اس قسم کا لینے والا اگر اس کے مالک کو واپس نہ کردے تو ظالموں کے گروہ سے ہوگا، دوسرا وہ مال ہے جو ان سب کے علاوہ ہو جو کسی مالک سے خریدا گیا ہو، یا غلہ خرید کر بویا گیا ہو تو ان تمام صورتوں

میں مال کا لینے والا اعتدال پسند طبقہ سے ہوگا نہ کہ ظالموں میں سے
اگر جاگیر کی قیمت میں کوئی شبہ پیدا ہو گیا ہو تو اس شبہ کی بنا پر سابقین
کا تقوٰی فوت ہو جائے گا لیکن عادلین اور اعتدال پسندوں کا
زہد نہیں ٹوٹتا تیسرا مال وہ ہے جو کسی سے غصب کر لیا گیا ہو یہ حرام
ہے۔ لیکن اس کے مالک کا پتہ نہیں چلتا ہے شریعت کا فتوٰی اس
قسم کے مال کے متعلق یہ ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں یہ مال ہو
ان سے حاصل کر کے قوم کی فلاح و بہبود اور درویشوں کی بہتری
میں صرف کرنا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کو ان کے
ہاتھوں میں چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ اس کو ظلم و فساد کا آلہ بنائیں لیکن
اگر وہ مال حاصل کرنے والا درویش ہے تو اس کو بقدر حاجت لینا
چاہیئے اگر تونگر ہو تو وہ کوئی چیز اس میں سے اپنے لئے خرچ نہ کرے
بلکہ درویشوں اور قومی مصالح و ضروریات میں صرف کر دے جو شخص
اس مال میں سے صرف بقدر حاجت لیتا ہے وہ اعتدال پسند طبقہ
میں سے ہے اور وہ ظالم نہ ہوگا۔

فلاں شخص ایک مدت تک ہماری خانقاہ میں مقیم تھا اس
کے اخلاق و عادات پسندیدہ تھے، اگر وہ اہل و عیال کی ضرورت
کے لئے وسیع خیرات و اوقاف اور سلطان کا مال طلب کرے تو اس
کو چاہیئے کہ سب سے پہلے شرعی فتوٰی حاصل کرے اور اجازت کے
مقام پر انحصار کرے، یہ دشوار ہے کہ کوئی شخص اس زمانے میں

باوجود قلت وکثرت اہل وعیال اپنے احوال کو شرعی فتوے کی میزان میں وزن کرے، ایسا شخص اس زمانے میں اس امر کا مستحق ہے کہ اس کی دیکھ بھال کی جائے نہ کہ اس کو علیحدہ محروم کردیا جائے۔ اس لئے فلاں بھائی اور دیگر مشائخ اس کے یہ حالات سنیں تو اس کا خیر مقدم کریں اور اس کی ضروریات کی تکمیل کریں۔ والسلام

علی سبیل الموسلین۔

پانچواں باب

گراں قدر نصائح و ارشادات

فصل اوّل

آفاتِ علم و مناظرہ

نصیحت کرنا اور نصیحت چاہنا ہر دو آسان ہیں لیکن نصیحت کا قبول کرنا دشوار ہے بالخصوص ایسے شخص کے لئے جو طلبِ علم و فضل میں مشغول ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ مجرد علم اس کا وسیلہ کار ہو جائے گا، عمل سے وہ بے نیاز ہے حالانکہ اسے علم کی بہ نسبت عمل کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ عمل ہی پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ قیامت کے دن تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو دیا جائے گا جس کو اللہ اس کے علم سے

کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا بنا بریں اگر تو آخرت کی سعادت کا طلب گار ہے اور نہیں چاہتا کہ علم تجھ پر حجت ہو جائے تو چار چیزوں سے پرہیز کرنا۔

۱۔ مناظرہ نہ کر کیونکہ اس سے محنت ومشقت اور قوت صرف کرنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس میں آفات بے شمار ہیں فاثمہ اکبر من نفعہ کیوں کہ اس کا گناہ اس کے نفع سے زیادہ بڑھا ہوا ہے، اس لیے کہ مناظرہ بُرے اخلاق کا سرچشمہ ہے مثلاً اس سے ریا، حسد اور فخر ومباہات جیسی نامرغوب صفات پیدا ہوتی ہیں اگر کسی مسئلہ کے سمجھنے میں تجھے کوئی دشواری پیش ہو اور تو اس کو جاننے کا محتاج ہو اگر اس مقصد سے بحث ومباحثہ کیا جائے کہ حق مسئلہ ظاہر ہو تو اس نیت سے مباحثہ ومناظرہ روا ہے، اس کی دو علامتیں ہیں، ایک یہ کہ اس میں فرق وتمیز نہ کرے کہ حق اس کی اپنی زبان پر ظاہر ہو یا اپنے فریق مخالف کی زبان پر بلا امتیاز قبول کرے۔ دوسرے یہ کہ وہ بہتر اس کو سمجھے کہ یہ مباحثہ بجائے اس کے کہ برملا اور علی روس الاشہاد ہو، تنہائی میں کیا جائے۔

اوروں کو وعظ ونصیحت مت کر اور یہ نکتہ یاد رکھ جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ اے فرزند مریم پہلے اپنے نفس کو نصیحت کر اگر تو نے نصیحت قبول کر لی ہے تو لوگوں کو وعظ کہہ

ورنہ تو شرمسار ہو جا" اگر تم اپنے رشتہ داروں کو وعظ و تذکیر کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو دو چیزوں سے احتراز کر ایک یہ کہ بے پناہ عبارت آرائی، مسلسل قافیہ پیمائی اور پیہم فصاحت گوئی سے پرہیز کر کیونکہ اللہ تعالیٰ تکلیف کرنے والوں کو دشمن سمجھتا ہے، قافیہ پیمائی کی زحمت خرابی باطن اور غفلت دل کی دلیل ہے اس لئے کہ تذکرے کے معنی یہ ہیں کہ آخرت کی خطرناک مصیبت کی آگ دل میں پیدا ہو جائے اور انسان کو بے قرار اور بے چین بنا دے اس آگ کے جوش اور مصیبت کے نوحہ کا نام تذکیر ہے اگر کوئی سیلاب کسی کے گھر کے دروازے پر پہنچ گیا ہے اور اس سے گھر والے تباہ و برباد ہونے والے ہیں تو منادی کرنے والا گھر میں آواز دیتا ہے کہ بچو بچو بھاگ جاؤ سیلاب آن پہنچا ہے ایسے وقت وہ کسی قسم کی قافیہ پیمائی اور عبارت آرائی کی زحمت نہ اُٹھائے گا، مخلوق کے سامنے وعظ و نصیحت کرنے پر یہی مثال صادق آتی ہے، دوسرے یہ کہ دل سے یہ خیال نکال دینا چاہیئے کہ تمہاری تقریر اور تمہارے ولولہ انگیز وعظ کو سن کر واہ واہ اور آفرین اور تحسین کے نعرے لگائیں، وجد کرنے لگیں اور محفل میں شور مچ جائے اور آخر میں لوگ یہ کہیں کہ کیا تقریر تھی کیا بیان تھا اور کیا وعظ تھا کیونکہ اس قسم کا خیال اور یہ گرما گرمی غفلت و ریاکاری کی دلیل ہے لیکن یہ عزم اور ارادہ رکھے کہ لوگوں کا قبلہ دنیا سے آخرت کی طرف، حرص سے زہد اور غفلت سے

بیداری کی طرف پھیردوں گا، چنانچہ جب وہ محفل سے باہر نکلیں تو ان کے باطنی صفات میں انقلاب پیدا ہو جاتے یا یہ کہ اگر وہ کسی حکم خداوندی کی تابعداری سے بظاہر برگشتہ ہوگئے تھے تو اب اس کی طرف راغب و مایل ہو جائیں اور جس گناہ پر جری اور دلیر ہو چکے تھے اب اس سے باز رہ جائیں، یہ ہے تذکیر کا کرشمہ اور یہی ہوا کرتا ہے بیان کا سحر، ورنہ اگر یہ مدعا و مقصد حاصل نہ ہو تو مقرر و واعظ اور سننے والوں پر تمام وبال ہو گا۔

۳۔ تیسرے یہ کہ تو کسی بادشاہ کے دربار میں سلام کی خاطر نہ جایا کر، بادشاہوں سے ہرگز میل جول اور ربط وضبط نہ پیدا کر کیونکہ سلاطین کی دربار داری کا فتنہ و آزمائش بہت بڑی ہے اگر کوئی شخص ان کی ملاقات کی آزمائش میں مبتلا کر دیا جائے تو اس کو چاہیے کہ بادشاہوں کی تعریف و مدح میں اختصار سے کام لے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات سے غضب ناک ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی فاسق کی مدح کرے اور کسی ظالم کے حق میں درازیٔ عمر کی دعا کرے اگر اس نے ایسا کیا تو روئے زمین میں اللہ کی نافرمانی کرنے کو اس نے پسند کر لیا۔

۴۔ بادشاہ سے کسی قسم کا وظیفہ قبول نہ کر خواہ وہ حلال ہی کیوں نہ ہو ان کے جاہ و مال کی آرزو و طمع فساد دین کا سبب ہے اور اس سے ظلم کی موافقت، مراعات اور مداہنت لازم آتی ہے۔

اور یہ تمام چیزیں موجب ہلاکت ہیں، یہ چار امور ہیں جن سے پرہیز کرنا چاہیئے، اور یہ نواہی سے متعلق تھے باقی رہے وہ اصول جو اوامر سے علاقہ رکھتے ہیں چار ہیں جن کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے۔

۱۔ پہلا یہ کہ جو کچھ تیرے اور مخلوق کے درمیان کا معاملہ ہے اس کو اس خوش اسلوبی سے انجام دے کہ اگر لوگ وہی معاملہ تیرے ساتھ کریں تو اس کو تو پسند اور روا رکھے کیونکہ کسی بندہ کا ایمان مکمل نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ تمام انسانوں کے لئے وہ چیز نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ اپنے اور خدا کے مابین جو معاملہ ہے اس کو طرح ادا کر جیسا کہ اگر تیرا غلام تیرے حق میں کرتا ہے تو اس کو تو پسند کر لیتا ہے اور جو کچھ تو اپنے غلام سے اپنے بارے میں پسند نہیں کرتا ہے خواہ تیرا درحقیقت کوئی غلام نہ ہو تو اس کو اپنی طرف سے بھی بندگی حق میں نہ پسند کر۔

۳۔ تیسرا یہ کہ جب تو علم تحصیل کرنا چاہتا ہے تو ایسے علم میں مشغول ہو جیسا کہ تو اس وقت علم میں مشغول ہوتا ہے جب کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ ایک ہفتہ کے اندر تیری وفات ہو جائے گی ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں تجھے جس علم سے دلچسپی ہوگی وہ نہ تو شاعری ہوگی نہ علم بیان و فصاحت نہ اصول مناظرہ و مذہب ہوگا نہ فلسفہ و کلام جس

شخص کو یہ علم ہو جائے کہ دوسرے ہفتہ میں وہ مر جائے گا اگر اس کو توفیق ہوگی تو وہ سوائے مراقبۂ دل اور بجز اپنے اعمال وکردار کا جائزہ لینے کے کسی شے میں دلچسپی نہ لے گا یہاں تک کہ وہ دنیوی تعلقات اور مادی کثافتوں سے پاک ہو جائے گا اور خدائے تعالیٰ سے ربط وضبط محکم کرے گا اس وقت اللہ تعالیٰ اس کو اپنی محبت سے سرشار اور ایسے اوصاف وخصائل سے آراستہ کرتا ہے جو اپنے نزدیک پسندیدہ ہیں۔

اگر کسی شخص کو اطلاع دی جائے کہ پادشاہ اسلام اس ہفتہ میں تیرے پاس ملاقات کے لئے آئیں گے، تو وہ شخص تمام کاروبار اور مشاغل کو چھوڑ کر بادشاہ کے استقبال وخیر مقدم کے لئے جس قدر سامان ولوازم کی ضرورت ہوگی ان میں لگ جائے گا، جسمانی صفائی اور گھر کی صفائی کی طرف رخ کرے گا، صاف ستھرے کپڑے فراہم کرے گا اور بادشاہ کے اجلاس کو آراستہ وپیراستہ کرے گا لیکن

وان اللہ تعالیٰ لاینظر الی	اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے
صورکم ولا الی اعمالکم	اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے
وانما ینظر الی قلوبکم	دلوں کو دیکھتا ہے۔

احوال دل کا علم اور ہلاکت آفرین ونجات دہندہ اشیاء کی معلومات ہماری کتاب احیاء العلوم یا کیمیائے سعادت یا جواہر القرآن کے ذریعہ فراہم کیا جا سکتا ہے، یہی علم تیرے لئے اہم اور فرض عین ہے

رہے دوسرے علوم تو ان سے یا تو بڑائی کا اظہار کرنا ہے جیسے مناظرہ اور مذہبیات و علم کلام وغیرہ یا ان میں وقت ضائع کرنا ہے جیسے کہ شاعری، فصاحت و بلاغت وغیرہ۔

۴۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ دنیا سے اس قدر مال حاصل کر کہ اگر تو بآسانی دوسرے عالم میں جائے گا تو وہ تیرے لئے باعث نجات ہو یہی وہ بقدر کفایت رزق ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کے لئے پسند کیا، چنانچہ فرمایا اللھم اجعل قوت ال محمد کفافاً اے اللہ محمد کے گھر والوں کی روزی بقدر کفایت بنا ایک اور مقام پر آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی کفایت سے بڑھ کر دنیا حاصل کی تو اس نے مردار حاصل کیا اور اس کا اسے احساس نہیں ہوتا۔

فصل دوم

کسی نے بدایۃ الھدایۃ ایک کتاب لکھی تھی اور اس میں یہ توضیح کی کہ طالب کے اندر کس قسم کے شروط و اوصاف کی اہلیت ہونی چاہیے، نیز یہ ظاہر کیا تھا کہ ان شرائط و اوصاف کی استعداد بدایۃ الھدایۃ کے پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے حجۃ الاسلام نے اس کتاب پر اس طرح تبصرہ

فرمایا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تم نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ آغاز ہدایت ہے، انتہائے ہدایت نہیں نشان ہدایت یہ ہے کہ تم یک نفس، یک ارادہ یک خیال اور یک نظر رہو یک نفس سے مراد یہ ہے کہ دل نہ گذشتہ میں لگاؤ اور نہ آئندہ میں الجھاؤ اس کے لیئے نہ فردا ہے نہ دی، یہ نہ گذشتہ پر افسوس کھاتا ہے اور نہ آئندہ کی فکر و تدبیر کرتا ہے، بلکہ دل بجز ایک سانس کے جو موجود ہے کسی کو پیش نظر نہیں رکھتا کیونکہ گذری ہوئی سانس ختم ہوگئی اور موجودہ یقینی ہے اور جو کچھ مستقبل ہے ممکن ہے کہ وہ نابود ہو جائے" یقیناً موجودہ بجز یک نفس کے اور کچھ نہیں ہے۔

ایک ارادہ کا مطلب یہ ہے کہ تم اس یک نفس میں بجز حق تعالیٰ کسی کو اپنا مقصد و مدعا نہ قرار دو تم ہمیشہ اپنا رخ اور اپنا ارادہ صرف خدا ہی کی طرف کر دو اسی کی طرف دھیان لگاؤ، زبان پر وہی ہو، نظر میں وہی شہود میں بھی وہ غیب میں بھی وہی ہو۔

یک خیال کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے دل سے بجز حق تعالیٰ خیال کے سارے خیالات نکال دو اور سوائے اس کام کے جو اللہ سے تعلق رکھے باقی تمام کاموں کو دل سے دور کر دو، دنیا پر لعنت کی گئی ہے اس کے اندر کی تمام کائنات پر لعنت بھیجی گئی ہے مگر اس سے اللہ کا ذکر اور اس کے ہم آہنگ اشیاء

مستثنٰے ہیں باقی اللہ کے سوائے جتنی چیزیں ہیں وہ اس لعنت کے مستحق ہیں۔

ایک نظر کے معنی یہ ہیں کہ جس شے پر تم نظر کرو اللہ تعالےٰ کو اس کے اندر مشاہدہ کرو، کیونکہ موجودات میں سوائے اس کے موجودی جلوہ کے اور کچھ نہیں ہے یا دوسری جس قدر اشیاء ہیں وہ ہست نما نیست ہیں ان تمام کے لئے الگ الگ درجے ہیں جو شخص ان درجات و مراحل کو طے کرتا رہے گا تو وہ ابتدا ہدایت سے انتہائے ہدایت پر گام زن ہو جائے گا۔ والسلام

فصل سوم

زندیقوں کی گمراہیاں اور ان پر شیطان کا تسلط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، ستفترق امتی بنیف وسبعین فرقۃ الناجیۃ منہا واحدۃ یعنی میری

امت بہتر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی ان میں سے نجات والا صرف ایک گروہ ہوگا اور باقی تمام ہلاک ہو جائیں گے اس افتراق و انقسام کا سبب یہ ہے کہ امت کے دراصل تین گروہ ہو گئے ہیں ایک بہترین دوسرا بدترین اور تیسرا درمیانی بہترین امت صوفیا ہیں جنھوں نے اپنی تمام خواہشات اور ارادے اللہ کی مشیت و ارادہ کے حوالے کر دیتے ہیں بدترین قوم فاسقوں کی ہے اور ان لوگوں کی جو ظلم کرتے شراب پیتے زنا کرتے اور خواہشات نفسانی کی باگ ڈھیلی چھوڑ دیتے اور اپنے آپ کو یہ دھوکا اور فریب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کریم و رحیم ہے، اور اس پر اعتماد کر لیتے ہیں، درمیانی جماعت وہ ہے جو تمام لوگوں میں صلاح پسند اور تقویٰ شعار ہوتی ہے۔

ان تین فریق میں سے ہر ایک کی چوبیس قسمیں ہیں جب ان سب کو آپس میں جمع کیا جائے تو جملہ بہتر فرقے نکل آتے ہیں، اتنے فرقوں کی زیادتی کا سبب یہ ہے کہ شیطان کو صوفیاء پر جو بہترین انسان تھے اور کسی معصیت و شہوت نفس سے آسودہ نہ تھے حسد ہوا نیز اسے فاسقوں سے بھی حسد ہونے لگا اس لئے دل میں کہا کہ اگرچہ یہ لوگ بدترین اُمت ہیں لیکن امید ہے کہ یہ اپنی رسوائی و ذلت سے واقف ہو جائیں گے اپنے اندر حقارت کی نظر کریں گے اور توبہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کی توبہ قبول کرے گا کیونکہ اُس نے فرمایا ہے وانی لغفار لمن تاب کہ میں توبہ کرنے والے کو یقیناً بخشنے والا ہوں۔

اس لئے کوئی ایسی تدبیر سوچنا چاہیئے جس سے یہ پاک لوگ گناہوں سے آسودہ اور کثافتوں سے ملوث ہو جائیں اور یہ ناپاک ملحدین و فاسقین اندھے کے اندھے ہی رہیں تاکہ اپنی آسودگی اور رسوائی و ذلت کا انطاو نہ کر سکیں، بنابریں اس نے صوفیاء و فاسقین کے درمیان ترکیب دینی چاہی چنانچہ وہ صوفیاء کے پاس آیا اور کہنے لگا تم آرام کرو خود کو بے فائدہ کیوں زحمت و مصیبت میں مبتلا کرتے ہو خدا کو تمہاری طاعت کی ضرورت ہے اور تمہاری معصیت سے اس کا کیا بگڑ جائے گا، دیکھتے نہیں کہ خدا رحیم و کریم ہے اور مغفرت و بخشش کرنے والا ہے شرعی تکالیف سے مقصود نوع انسانی میں ضبط و نظام قائم رکھنا ہے تاکہ وہ دنیوی جاہ و مال کی وجہ سے باہمی نہ جھگڑ بیٹھیں طاعت سے مقصود خدائے تعالیٰ کا تقرب ہے تمہیں تو یہ قربت حاصل ہے پس اپنے نفس کو آزردہ کرنا اور دنیوی خواہشات سے باز رہنا بے وقوفی نہیں تو پھر کیا ہے۔

جب گروہ صوفیاء کے دل میں یہ شیطانی وسوسے اور فاسد خیالات اثر کر گئے اور طبیعت نے دنیوی خواہشات کی طلب میں تائید کی اور یہ خیال اُن کے دل میں راسخ و مستحکم ہو گیا تو انھوں نے اپنے قدم گناہوں کی وادی میں دھر دیئے۔ زن و فرزند کو مباح قرار دے لیا حالانکہ وہ صوفیاء کے لباس میں ہوتے تھے، بجچے تلے الفاظ کہتے اور نہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ کریم ہے لیکن شدید العقاب بھی ہے ان کی قربت پیغمبروں

کے درجہ وقرابت سے بڑھ کر نہیں اور تمام پیغمبروں اور رسولوں نے طاعت و عبادت کا دامن اپنے ہاتھ سے کبھی نہ چھوڑا اور اس شک و شبہ سے دھوکا نہ کھائے، جب شیطان نے ان کے دلوں میں فاسد تخم ریزی کردی تو ان کے کام سے اس کو فراغت مل گئی اور اُس نے اچھی طرح جان لیا کہ اب اس کے بعد نہ تو ان کی اصلاح ہوگی اور قابل ہوں گے کیونکہ یہ جملہ دنیوی شہوات کے اسیر ہو گئے ہیں پھر بھی وہ صوفیا کی شکل وصورت اور وضع قطع میں زندگی گذارتے ہیں اور اپنے کو رب العزت میں مقرب گردانتے ہیں لہٰذا درحقیقت تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ لوگ دنیا کا بدترین گروہ ہیں ان کا علاج ان سے مایوسی ہے اور ان کے ساتھ مناظرہ کرنا ان کو پند ونصیحت کرنا کسی طرح سودمند نہیں بلکہ ان کے وجود کو بیخ وبُن سے اکھاڑ دینا اور اُن کا خون بہانا واجبی ہے اور سوائے اس کے اور کوئی طریقہ ان کی اصلاح کا نہیں ہے ان میں تیر وشمشیر وہ اثر کرتے ہیں جو دلیل وبرہان اور قرآن سے ممکن نہیں۔

فصل چہارم

ایک نصیحت

(نوٹ) مروی ہے کہ ایک شخص بہت دور سے حجۃ الاسلام کی خدمت

میں حاضر ہوا اور آپ سے نصیحت کی خواہش کی آپ
نے اس کو نصیحت کی"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ وذکر فان الذکری ینفع المومنین یعنی "تم ذکر کیا کرو کیونکہ ذکر مومنوں کو فائدہ پہنچاتا ہے" اگر تم راہ سعادت کے طلب گار ہو تو سعادت کے تین اصول ہیں۔

موا ظبت ــــــ مخالفت ــــــ موافقت ــــــ تمام حالات میں اللہ کی یاد پر اس طرح مواظبت کرو کہ کوئی لمحہ اس سے خالی نہ جائے خواہشات نفس کی تم اس طرح مخالفت کرو کہ نفس شکست کھا جائے اور تمھارا اسیر ہو جائے اور ذکر الٰہی سے کسی لمحہ تم کو باز نہ رکھے کیونکہ اگر نفس تم پر غالب ہو جائے تو تم کو اپنا غلام بنا لیتا ہے اور تم کو ایسی چیزوں میں مشغول رکھتا ہے جن سے اس کی خواہش پوری ہو اللہ تعالیٰ سے بے پروا ہو جائے۔

موافقت سے مراد یہ ہے کہ تم حدودِ شریعت اور اس کے تمام اصول و آداب کو اپنے تمام خیالات اور توہمات کو ان کا تابع کر دو جب ان کے درمیان اس طرح موافقت وہم آہنگی پیدا ہو جائے کہ دل سراپا ذکر ہو جائے اعضاء و جوارح فرمان خداوندی کے تابع اور نفس کے تمام خواہشات و جذبات مقہور و مغلوب ہو جائیں تو سعادت کا کمال درجہ حاصل ہو گیا اور عظیم ترین بندگی و شرافت مل گئی، اس کے بعد اگر کوئی چیز ظاہر ہو اور نور و نغمہ کے مظاہر سے

تمھارے سامنے کئے جائیں تو تم اس کی طرف دھیان نہ کرو اور دل میں اس کا خیال بھی نہ پیدا کرو اس کی کوئی وقعت تمھاری نگاہوں میں نہ ہونی چاہیے۔ اگر تم اس کو آنکھوں سے کبھی نہ دیکھ سکو تو دل کو بھی اس میں مشغول نہ رکھو یہی تین اصول زندگانی ہیں تم ان پر کاربند رہو۔ والسلام

فصل پنجم

(نوٹ) جس وقت شہاب الاسلام نے قلعۂ ترند سے رہائی پائی اور طوس میں وارد ہوئے، جمعہ کے دن جامع مسجد گئے تو حجۃ الاسلام سلام پھیرنے کے بعد شہاب الاسلام کے نزدیک گئے اور مزاج پرسی کی اس کے بعد یہ فرمایا"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ولنذیقنھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون	اور ضرور ہم اس بڑے عذاب کے علاوہ ان کو ایک چھوٹے عذاب کا بھی مزہ چکھائیں گے تاکہ وہ پلٹ کر آئیں۔

اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات اپنے دوستوں کے حق میں بے شمار ہیں اور اس کی تدبیریں اس کے دشمنوں کے حق میں بے حساب، "و مکروا و مکرنا مکرا وھم لا یشعرون" یعنی اور وہ چال چلے اور ہم بھی ایک چال چلے اور ان کو خبر بھی نہ ہوتی" چار سو سال تک فرعون کو درد سر نہ ہونے دیا یہاں تک کہ اس کو گمراہی اور سرکشی میں اس حد تک پہنچا دیا کہ وہ بول اٹھا انا ربکم الاعلیٰ کہ میں ہی تمہارا سب سے بلند پروردگار ہوں" قلعہ ترمذ وغیرہ یہ تمام تنبیہات حضرت حق جل مجدہ کے الطاف و عنایات کی کمندیں ہیں جو اپنے عام و خاص بندوں پر پھینکتا ہے۔ لعلھم یرجعون تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں اور اس کے ذریعہ ابدی بدبختی سے رہائی پائیں اور آگاہ ہو جائیں جب آپ کے اوپر بھی اس قسم کی کمند پھینکی ہے اور اس کا اثر ظاہر ہو گیا ہے لہٰذا خود نگری اور آگاہی تمام اعضاء و جوارح میں ظاہر ہو جانا چاہیئے اس خود آگہی کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جب وہ آنکھوں پر ظہور پذیر ہوتا ہے تو آنکھ سراپا عبرت بن جاتی ہے اور ذات حق الوہیت اور توحید کو دیکھتی ہے اگر زبان پر ظاہر ہو تو زبان سراپا ذکر حق بن جاتی ہے اور اگر دل پر مستولی ہو تو دل پیکر شہود و جلوہ گاہ حق ہو جاتا ہے اور ہر ماسوا اللہ سے اعراض کر لیتا ہے اور اس کی طرف ذرہ بھر التفات نہیں کرتا۔ اگر یہ اثر قدم پر ظاہر ہوتا ہے تو قدم قدم تمام تر راہ حق کی جانب بڑھتے ہیں۔ لہٰذا ان تمام آثار

میں سے کچھ بھی کسی ایک عضو پر ظاہر ہو تو یہ تنبیہ کی کمند ہے جو پھینکی گئی ہے اور اس کو غنیمت سمجھنا چاہیئے، اگر اس میں سے کوئی اثر کسی پر نہ ظاہر ہو تو عقوبتِ کبریٰ کا انتظار کرنا چاہیئے، یہ عذاب آتش دوزخ کا عذاب نہیں بلکہ عذاب دل ہے آتش روحانی میں

نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ — وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک جا چڑھتی ہے۔

اور یہ عذاب بارگاہ حق تک پہنچنے کا حجاب ہے۔

کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون ثم انہم لصالوا الجحیم۔ — اتنا ہی نہیں اس دن وہ اپنے پروردگار کی رحمت سے (بھی) محروم رہیں گے پھر وہ جہنم میں بھی یقیناً جلیں گے

اللہ تعالیٰ تمام دلوں اور زبانوں کو اس کی توفیق دے کہ ان دونوں عذابوں سے نجات پائیں اور ابدی سعادت اور حق تعالیٰ کی خوشنودی و قربت حاصل کریں۔

فصل ششم

دعائے استسقاو نماز استسقا میں اخلاص کی ترغیب

آفات گھنگھور گھٹاؤں کی طرح مسلط ہیں، آسمان کی بلائیں پے بہ پے نازل ہو رہی ہیں دل پریشان وتشویش ناک، ہمتیں اور ارادے دنیوی کاموں میں مشغول خیالاتِ راہِ حق سے برگشتہ، جذبات دنیوی آرائشوں وزیبائش پر فریفتہ اور خواہشات نفسانی کی تکمیل تک محدود

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم — بے شک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے نفسوں کی حالت خود نہ بدل ڈالیں۔

جب لوگ بالکلیہ دنیا طلبی پر آمادہ اور اسی میں منہمک ہیں تو دنیا نے ایک دم ان سے منہ پھیر لیا اس کے علاج کا طریقہ یہ ہے کہ لوگ طاعت وعبادت پر مواظبت کریں اول اول کو ان ہی کاموں میں مصروف رکھیں دنیا طلبی سے روگردانی کرلیں جب یہ دل کے ساتھ اطاعت وتابعداری حق میں مشغول ہو جائیں گے اور دنیا اور اس کی خواہشات سے اپنا رخ پھیر لیں گے اور اطاعت وفرماں برداری

دنیا داری اور انسانوں کی تحسین و آفرین اور ثواب کی خاطر نہ کریں گے بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ پیش نظر رکھیں گے تو رضاء الٰہی سے نزدیک اور بارگاہ ایزدی میں پہنچنے کے لائق ہو جائیں گے اور ارواح اور روحانیات کے درمیان ایسی مناسبت ظہور پذیر ہو جاتے گی کہ اگر اس وقت کوئی دعا کریں یا اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی خواہش کریں تو فوراً ان کی دُعا قبول ہو جائے گی اور اُن کی آرزو پوری کر دی جائے گی وادعونی استجب لکم۔ اور تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا، ایسے ہی گروہ کے باب میں ارشاد فرمایا گیا ہے ورنہ ان شرائط و صفات کے بغیر دعا کرنا لاحاصل و بے ثمر ہو گا۔

والسلام
